بیادگار:

آبروئے قلم حضرت مولانا محمد عثمان معروفی رحمۃ اللہ علیہ متوفی جون 2001ء

ان کا جوفرض ہے وہ اہلِ سیاست جانیں
میرا پیغام محبت ہے جہاں تک پہنچے

مئی ۲۰۲۳ء۔شوال ۱۴۴۴ھ۔ جلد ۲۔شمارہ ۵۔

ماہنامہ پیغام پورہ معروف

سرپرست: مولانا شبیر احمد مشتاق، شیخ الحدیث جامعہ ام حبیبہ، پورہ معروف

مدیر: مولانا انصار احمد معروفی---نائب مدیر: مولانا مطیع اللہ مسعود قاسمی

مجلس ادارت:

مولانا نوشاد احمد معروفی، مولانا ڈاکٹر محمد حمران اعظمی،

مولانا ابوہریرہ یوسفی

وضاحت

عیدالفطر کے پرمسرت موقع پر پورہ معروف میں ایک دلچسپ پروگرام ''دیوبند کی یادیں'' میں منعقد ہوا، اس پروگرام میں ۱۹۸۳ سے لے کر ۱۹۸۶ تک کے دارالعلوم دیوبند کے فضلائے کرام کو پورے ضلع مئو سے مدعو کیا گیا تھا، اس پروگرام کی مکمل روداد اور اس سے متعلق ایک طویل نظم بھی شامل رسالہ کر کے اس رسالہ کو ''دیوبند نمبر'' کے نام سے شائع کیا جارہا ہے۔

مدیر: انصار احمد معروفی۔

قرآن کریم کو کھیل سمجھنا

اللہ پاک نے قرآن کریم میں مشرکین مکہ کے اس رویہ کو جگہ جگہ بیان کیا کہ وہ لوگ قرآن کریم سن کر اس سے سبق لینے اور اس پر ایمان لانے کے بجائے اسے ہلکا سمجھ کر اسے کھیل کود میں اڑا دیتے، اس سے غفلت ولاپرواہی کرتے ہوئے اس سے منہ موڑ لیتے، ایسے لوگوں کے متعلق اللہ پاک نے فرمایا کہ یہ کلام ایسا ویسا نہیں کہ اسے سن کر ہنسی مذاق میں اڑا دیا جائے، اگر لوگوں کو قیامت اور حساب و کتاب کے نزدیک آجانے کا علم اور یقین ہوتا تو ایسی غفلت نہ کرتے، بلکہ اس پر ایمان لاکر اپنی عاقبت سنوار لیتے۔ چنانچہ اللہ پاک ارشاد فرماتے ہیں:

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَ هُمْ فِيْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ ① مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنْ رَّبِّهِمْ مُّحْدَثٍ اِلَّا اسْتَمَعُوْهُ وَ هُمْ يَلْعَبُوْنَ ○ سورہ انبیاء آیت نمبر ۱-۲۔ ترجمہ: لوگوں کے حساب کا وقت قریب آ گیا، پھر بھی وہ بے خبری میں منہ پھیرے ہوئے ہیں۔ آیت میں حساب سے مراد قیامت ہے جو ہر گھڑی قریب سے قریب تر ہورہی ہے۔ اور وہ ہر چیز جو آنے والی ہے، قریب ہے۔ اور ہر انسان کی موت بجائے خود اس کے لئے قیامت ہے۔ علاوہ ازیں گزرے ہوئے زمانے کے لحاظ سے بھی قیامت قریب ہے کیونکہ جتنا زمانہ گزر چکا ہے۔ باقی رہ جانے والا زمانہ اس سے کم ہے۔ یعنی اس کی تیاری سے غافل، دنیا کی زینتوں میں گم اور ایمان کے تقاضوں سے بے خبر ہیں۔ ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے جو بھی نئی نئی نصیحت آتی ہے اسے وہ کھیل کود میں ہی سنتے ہیں۔ یعنی قرآن جو وقتاً فوقتاً حسب حالات وضروریات نیا نیا اترتا رہتا ہے، وہ اگر چہ انہی کی نصیحت کے لئے اترتا ہے، لیکن وہ اسے اس طرح سنتے ہیں جیسے وہ اس سے استہزاء مذاق اور کھیل کر رہے ہوں یعنی اس میں تدبر وغور وفکر نہیں کرتے۔

وہ گویا اس غفلت میں پڑے ہوئے ہیں کہ یہ بھی کوئی شعر وشاعری جیسی بات ہے، جو دل بہلانے کی طرح ہے، البتہ انہی لوگوں میں سے جن لوگوں کو اللہ نے ہدایت دی وہ اس کا حق ادا کرنے والے بن گئے۔

انصار احمد معروفی

دیوبند کی یادیں

انصار احمد معروفی

اللہ جل جلالہ کے فضل وکرم سے 24/ اپریل 2023 مطابق 3/شوال المکرم 1444ھ بروز دوشنبہ مدرسہ تعلیم القرآن پورہ معروف کے صحن میں ضلع مئو یوپی کے ان فضلائے دیوبند کا خصوصی اجلاس منعقد ہوا جو دارالعلوم دیوبند سے 1985 یا اس کے ایک دو سال پہلے یا بعد میں فارغ ہوئے۔ اس ادبی وثقافتی محفل کا عنوان "دیوبند کی یادیں" تھا، یہ خوبصورت محفل دارالعلوم دیوبند کی محبت میں ساتھیوں سے ملاقات اور اساتذہ کی خدمات کے تذکرے کے لیے منعقد کی گئی تھی ۔جس کی صدارت مولانا شبیر احمد مشتاق صاحب شیخ الحدیث جامعہ ام حبیبہ پورہ معروف نے فرمائی اور نظامت کے فرائض راقم الحروف انصار احمد معروفی نے انجام دیے۔

دارالعلوم دیوبند ایک ادارہ ہی نہیں، بلکہ ایک تحریک ہے، ایشیا میں احیائے اسلام کی عظیم جدوجہد کا سرچشمہ اور تصحیح عقائد واعمال کا منبع ہے، اس لیے دارالعلوم دیوبند کی محبت ہر صحیح العقیدہ مسلمان کے رگ و ریشے میں پیوست ہے، یہی وجہ ہے کہ اس ادارے کی مقبولیت روز اول سے فزوں تر ہوتی جا رہی ہے، اس کی اعلیٰ نسبت باعث صد افتخار ہے جو بانیان دارالعلوم کے اخلاص اور ان کی صدق نیتی کا مظہر ہے۔

جس کسی نے بھی دارالعلوم دیوبند میں اپنا تعلیمی وقت گزارا، وہاں کی روحانی آب وہوا میں سانسیں لی، وہاں کے مخلصین اساتذہ سے کسبِ فیض کیا، وہ بندہ دارالعلوم کی زلف گرہ گیر کا اسیر ہو گیا۔ اس کے دل میں دارالعلوم کے درودیوار کی محبت کچھ اس طرح رچ بس جاتی ہے جس کا رنگ و روغن زندگی بھر دھندلا اور بے کیف نہیں ہوتا۔ دار العلوم کی چہار دیواری میں قدم رکھتے ہی بندہ اس کی دلکشی اور عظمت کے سحر میں ایسا مسحور ہو جاتا ہے جو کبھی سر سے نہیں اترتا۔

وہاں سے رسمی فراغت کے بعد بندہ برابر اس کوشش میں مصروف رہتا ہے کہ کوئی تقریب بہر زیارت بن جائے، کوئی موقع ایسا ہاتھ لگ جائے جو مادر علمی کی چہار دیواری میں قدم رکھنے کا بہانہ بن جائے۔ جسے دیکھ کر آنکھوں میں نور اور دل کو سرور حاصل ہو جائے، بے چین دل کو راحت نصیب ہو جائے اور دل کی آنکھ کو ٹھنڈک پہنچ جائے، تعجب کی بات یہ ہے کہ محبت کا یہ جادوئی اثر متعدی ہوتا چلا جاتا ہے، زائر کی زبان سے دیوبند کی تعریف کا قصیدہ سن کر وہ شخص بھی دارالعلوم دیکھنے کے لیے بے تاب ہو جاتا ہے جس نے وہاں کبھی تعلیم حاصل نہیں کی، نہ ہی وہ کسی دوسرے ادارے کا فارغ التحصیل ہے، مگر دارالعلوم سے دلی محبت سے مجبور ہو کر وہ اس کی روحانی فضا میں چند لمحے سانس لینے کے واسطے تڑپ اٹھتا ہے اور رخت سفر باندھ لیتا ہے۔

دارالعلوم دیوبند سے بے لوث محبت کی وجہ سے بندہ پورے شہر دیوبند سے محبت کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے، اسے دیوبند کی گلی گلی اور کوچے کوچے سے الفت ہو جاتی ہے، قصبہ کے درودیوار اور وہاں کے ذرے ذرے سے محبت ہو جاتی ہے۔

یہ امر باب المحبت کے قبیل سے ہوتا ہے کہ محبت کا دائرہ بہت وسیع اور اس کی گہرائی ناقابلِ یقین ہوتی ہے۔ محبت ایک خوشبو کی طرح ہوا کرتی ہے جو از خود پھیلتی ہے اور اپنے وجود کا احساس کرانے کے ساتھ ساتھ دوسروں کو بھی اپنے سے قریب کر دیتی ہے اور اجنبیت کے گمان کو ختم کر دیتی ہے۔

اگر مجنوں کو لیلیٰ سے عشق تھا، تو اس کا یہ عشق ہر اس شے سے ہوتا گیا جو بھی چیز لیلیٰ سے منسوب ہوتی گئی، لیلیٰ کے مکان، درودیوار، اس کی خاک، اس کی گلی، حتیٰ کہ اس کی گلی کا کتا بھی اسے عزیز ہو گیا۔

دارالعلوم دیوبند سے محبت کرنے والوں کی وارفتگی کا حال بھی ایسا ہی ہوتا ہے کہ انھیں دارالعلوم کے ساتھ ساتھ دیوبند کی ہر چیز سے محبت ہو جاتی ہے، اس سے منسوب ہر شے عزیز ہو جاتی ہے۔ اسی لیے اس پروگرام کا عنوان بھی" دیوبند کی یادیں" تجویز کیا گیا اور بینر پر بھی وہی لکھوایا گیا۔

" دیوبند کی یادیں" محفل میں ان احباب کرام کو خاص طور پر مدعو کیا گیا جو ہمارے ہم درس یا ہم عصر تھے۔ دارالعلوم دیوبند سے فراغت (1985) کے تقریباً 39 سال بعد اس پروگرام کے انعقاد کی وجہ یہ ہوئی کہ یوں تو دیوبند کی یاد مجھے تقریباً روز ہی آتی رہی ہے، مگر تقریباً دو دہائی سے اس یاد کی شدت میں مزید اضافہ ہو گیا، کیوں کہ 25 سال کا طویل زمانہ ہو گیا جب سے دیوبند جانے کی توفیق نہیں مل سکی، ادھر جب سے اینڈرائیڈ موبائل کا دور آیا؛ جس کے ذریعے دارالعلوم دیوبند کی تصاویر اور ویڈیوز اپلوڈ کر دیے گئے اور دیوبند کے دیگر علاقے کے

ویڈیو بھی شیئر کیے جانے لگے تب سے اس کی یادمیں اضافہ اور پرانے احباب سے ملاقات کا اشتیاق اتنا بڑھ گیا کہ بہت سی محفلوں میں بات بات پر میری زبان پر دیوبند کا تذکرہ آجاتا، ظاہر بات ہے کہ "من احب شیئا اکثر ذکرہ" یعنی جس چیز سے محبت ہوتی ہے اس کا ذکر بار بار زبان پر آجاتا ہے۔ شاید یہی سبب ہوا کہ دارالعلوم دیوبند کے موضوع پر میں نے کئی نظمیں لکھیں، اس کے علاوہ دارالعلوم دیوبند کے اپنے سبھی اساتذہ کی حیات وخدمات سے متعلق میں نے مضامین تحریر کیے جو ماہنامہ پیغام پورہ معروف کے کئی شمارے میں شائع ہوئے۔ بلکہ کرونا وائرس کے دور میں، نیز اس کے قبل اور بعد میں وفات پانے والے اپنے دیوبند کے اساتذہ کی یاد میں ایک جلسہ ہم لوگوں نے مولانا امتیاز احمد صاحب گلفام گرہست کے مکان پر رکھا، جس میں بہت سے علمائے کرام شریک ہوئے، اس کے ویڈیوز بھی یوٹیوب پر حذیفہ اسجدی چینل پر موجود ہیں۔ اس تعزیتی جلسے میں اپنے مخلص اساتذہ کی خدمات کا تذکرہ کیا گیا اور ان کے لیے دعائیں کی گئیں۔

یادیں انسان کی زندگی کا ایک خوشگوار حصہ ہوتی ہیں، اگر انسانی زندگی سے ان یادوں کے نقوش حذف کر دیے جائیں اور اس کا تعلق ان یادوں سے منقطع کر دیا جائے تو انسان، حیوانوں کی طرح خواب و خیال سے محروم ہوجائے گا، جن کے یہاں نہ تو یادوں کی بارات ہوگی نہ ہی مستقبل کی آرزوئیں۔ انسان کو اپنی خوشگوار یادیں بہت عزیز ہوا کرتی ہیں، جن کا وہ اپنے اہلِ خانہ اور احباب میں بڑے ذوق وشوق سے ذکر کرتا ہے، وہ حسین یادیں ذہن کے پردے سے غائب نہ ہو جائیں، اور مرور زمانہ کے ردعمل میں ذہن سے محو نہ ہو جائیں، انسان انہیں قلمبند کر لیتا ہے، ان کی تصویریں محفوظ کر کے البم بنا لیتا ہے اور آج کل کے زمانے میں ان کو متحرک تصویر میں بھی بدل کر قید کر دیتا ہے۔ جو تاریخ کا حصہ بن کر مستقبل کے لیے اہم ورثہ بن جاتی ہے۔ اس کے لیے انسان اپنی آپ بیتیاں لکھتا ہے، سفر نامے اور یومیہ ڈائری لکھنے کا التزام کرتا ہے، مزید برآں کسی شخصیت کے سانحۂ ارتحال پر تعزیتی اجلاس کا انعقاد کر کے مرحوم کے اوصاف وکمالات کا تذکرہ کیا جاتا ہے، اس کی سوانحِ عمری لکھی جاتی ہے، قصائد اور مراثی تحریر کیے جاتے ہیں، اس کے نام سے یادگاری ڈاک ٹکٹ جاری کیے جاتے ہیں، عمارتیں اس کے نام سے بنائی جاتی ہیں، اکیڈمیاں قائم کی جاتی ہیں، ان کے نام سے منسوب ٹرینیں چلائی جاتی ہیں، محلے اور اضلاع کے نام رکھے جاتے ہیں، بلکہ بعض لوگوں کے یہاں باقاعدہ برسیاں منائی جاتی ہیں اور نہ جانے کیا کیا کیا جاتا ہے؟

یادوں سے متعلق کتنی ہی ادبی وفکری و مذہبی تحریریں کتابی شکل میں موجود ہیں، ان میں یادِ رفتگاں، یادوں کے نقوش، پس مرگ زندہ، جانے والوں کی یاد، جہان دیدہ، یادوں کی پرچھائیاں، ہمارے دور کا دارالعلوم، احاطۂ دارالعلوم میں گزرے ہوئے دن، یادیں اور باتیں اور یادوں کی برات وغیرہ کافی مشہور ہیں۔ مذہبی اور تاریخی اعتبار سے دیکھا جائے تو مشہور شخصیات کے ناقابلِ فراموش کارناموں اور قربانیوں کو زندہ جاوید بنانے اور ان کے نقشِ قدم پر چلنے کے لیے کئی احکامات جاری کیے گئے اور بعد کے زمانے کے لوگوں کو پابند کیا گیا کہ ان کی راہوں پر چل کر اپنے لیے فلاح کو یقینی بنائیں۔

خود اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں انبیائے کرام کے قصوں اور ان کے مجاہدات وتبلیغی جدوجہد کو بڑے اہتمام سے بیان کیا تاکہ لوگوں کو عبرت اور سبق حاصل ہو سکے، بلکہ انبیاء ورسل کے علاوہ صلحا وفساق کے واقعات کو بھی تفصیل سے بیان کیا جس میں بہت سے اسباق اور عبرتیں بندوں کے واسطے موجود رہتی ہیں۔

گزشتہ دور کے احوال و واقعات کو بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے بندوں کو ان واقعات کو یاد کرنے کی جانب متوجہ کرتے ہوئے متعدد مقامات پر یوں فرمایا "واذکر فی الکتاب اسمعیل" یعنی کتاب میں حضرت اسمٰعیل کا تذکرہ کرو۔ فلاں کی قربانیوں کو یاد کرو، وغیرہ۔

پیارے آقا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کریم میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ "ثم اوحینا الیك ان اتبع ملة ابراهیم حنیفا" کہ وہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی ملت کی اتباع کریں۔ ظاہر بات ہے کہ اس کے لیے ملت ابراہیمی کے تفصیلی بیان کی ضرورت تھی، تاکہ اس کی اتباع کی جا سکے۔ چنانچہ قرآن کریم میں جگہ جگہ اس موضوع کی آیتیں نازل کی گئیں۔ اس کے علاوہ حج وعمرہ نیز قربانی وغیرہ کے تعلق سے حضرت ابرہیم واسمٰعیل وہاجرہ علیہم السلام کی کئی یادوں کو احکامات کی صورت میں بدل کر ان کی یادوں کو زندہ کر دیا گیا۔

دیوبند کی یادیں بھی ان ابنائے قدیم کے لیے حرزِ جاں ہوا کرتی

ہیں جنھوں نے وہاں اپنے اوقات گزارے، اور وہاں سے استفادہ کیا، وہاں کی یادیں اس لیے بھی زیادہ آتی ہیں کیونکہ جو زندگی دارالاقامہ میں گزرتی ہے وہ بے حد عزیز ہوا کرتی ہے، اس موضوع پر ہمارے فضلائے دارالعلوم دیوبند کی کئی تحریریں کتابوں اور مضامین کی شکل میں موجود ہیں، جن میں سب سے مشہور کتاب " احاطۂ دارالعلوم میں بیتے ہوئے دن" مصنف مولانا مناظر احسن گیلانی، دوسری کتاب " ہمارے دور کا دارالعلوم" مصنف مولانا محمد افضال الحق جوہر قاسمی وغیرہ ہیں۔خود ہمارے عم بزرگوار مولانا محمد عزیر صاحب قاسمی کا مضمون " ہمارے دور کا دارالعلوم" مضمون کئی قسطوں میں ترجمان دارالعلوم نئی دہلی میں شائع ہوکر مقبول ہوا۔ دارالعلوم کی یادوں سے متعلق اور بھی تحریریں رسالوں اور کتابوں میں محفوظ ہیں جن کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔

اسی تعلق سے راقم الحروف انصار احمد معروفی کو کئی سال سے یہ تمنا تھی کہ دارالعلوم دیوبند کی یادوں کو سمیٹنے اور ان کے تذکرے کے لیے کوئی پروگرام منعقد کیا جائے، اپنے احباب کرام کو اس نقطۂ اتحاد پر جمع کرکے منتشر یادوں کو جمع کیا جائے، ذہن سے سرکنے والی یادوں کو محفوظ کرنے کے لیے انھیں ضائع ہونے سے بچایا جائے۔تعلیم حاصل کرنے کے زمانے سے لے کر حال تک تقریباً چار دہائی کا فاصلہ کوئی دو چار مہینہ اور سال کا فاصلہ نہیں تھا، اس دوران کتنے ساتھیوں کا انتقال بھی ہوگیا اور وہ ساتھی ہم سے ہمیشہ کیلیے بچھڑ گئے، ان میں پورہ معروف محلہ بانسہ کے نہایت مخلص اور باصلاحیت استاد مولانا عتیق الرحمن صاحب استاد مدرسہ سراج العلوم، جن کی فراغت 1985 میں ہوئی، اسی طرح اسی سال فارغ ہونے والے ادری کے مولانا شبیر احمد صاحب، استاد مدرسہ چشمہ فیض ادری، نیز کوپا گنج کے مولانا عبد العظیم صاحب، استاد مدرسہ وصیت العلوم، مولانا مشتاق احمد صاحب کوپا گنج، مولانا ریاض الاسلام صاحب استاذ مدرسة المساکین، بہادر گنج، مولانا ممتاز احمد صاحب مئو، استاد دارالسلام ادری، بھی دوران تدریس اس دار فانی سے دار بقا کی طرف کوچ کر گئے۔اپنے کچھ احباب سے اب تک کہیں سامنا نہیں ہوا تھا، کتنے ساتھیوں کے حلیے دل و دماغ سے نکل چکے تھے، ان کے حالات اور مشغلے سے بھی بے خبری تھی، ان کے رابطے کے ذرائع پیچیدہ اور پریشان کن تھے۔ ارادہ یہ کیا کہ اس پروگرام میں صرف مئو ضلع کے ان احباب کرام کو شامل کیا جائے جو دارالعلوم دیوبند میں میرے ہم درس یا ہم عصر تھے، اس دائرے کو بڑھانے میں اندیشہ تھا کہ بہت بڑا پروگرام کرنا پڑے گا جو میری قوت وطاقت سے باہر تھا۔

دیوبند کے ساتھیوں کی تلاش اور ان کے فون نمبر کی جستجو بہت بڑا مسئلہ تھا، کیوں کہ عموماً کتنے لوگ گرگٹ کے رنگ کی طرح اپنا فون نمبر بدلتے رہنے میں ماہر ہوتے ہیں۔زمانے کے نشیب وفراز اور حالات کی آندھیوں نے نہ جانے کتنے احباب کو وطن سے بے وطن کردیا ہوگا؟ ذریعۂ معیشت کی تلاش اور وسعت و فارغ البالی کے حصول لیے کتنے فضلائے کرام غیر تدریسی امور میں مشغول ہوکر اپنے ہم مشرب اور ہم مزاج احباب سے بے تعلق ہو گئے ہوں گے، گردشِ ایام کا شکار ہوکر کتنے ساتھیوں کی لائنیں اور حلیے وغیرہ تبدیل ہو گئے ہوں گے، جوانی نے جو بال و پر نکالے رہے ہوں گے، اس چالیس سال کے عرصے میں کتنے ایسے تغیرات ہو گئے ہوں گے کہ اپنے ساتھیوں کی شناخت بھی ایک امتحان بن جائے گی اور پھر تعارف کے بعد اس عدم شناخت پر شرمندگی کا احساس بھی دل پر کچوکے لگائے گا۔

" دیوبند کی یاد میں" پروگرام کے انعقاد کی تاریخ عید الفطر کے حسین موقع پر اس لیے متعین کی گئی کہ عید کے تیسرے دن یعنی 24 اپریل 2023 کو برادر عزیز اسعد الاعظمی دہلی سے اپنے وطن پورہ معروف ایک دن کے لیے آرہے تھے۔ رمضان کی کسی تاریخ میں انہوں نے مجھے اس کی اطلاع دی تھی، اسی وقت میں نے یہ فیصلہ کرلیا تھا کہ ان شاءاللہ اس مناسبت سے ایک یادگار اور خوشنما شام دیوبند کے اپنے ساتھیوں کے ساتھ منائی جائے گی۔مولانا اسعد الاعظمی نے یہ بھی خوشخبری سنائی تھی کہ ان شاءاللہ اس میں کھانے کے خرچ کا ذمہ دار میں رہوں گا۔

انہوں نے اس کی ذمہ داری ہم لوگوں کے اس مطالبہ پر لبیک کہتے ہوئے اٹھائی تھی جب ان کا ایک خوبصورت مضمون ماہنامہ پیغام پورہ معروف (جنوری 2023) کے سائیکل نمبر میں بڑے اہتمام اور تعارف کے ساتھ شائع ہوا تھا۔جس کی پذیرائی بہت سے قارئین نے کی تھی اور ملاقات نیز فون سے اس پر دادو تحسین سے نوازا تھا، بلکہ بعض بے تکلف احباب نے حسبِ دیرینہ روایت اس بہترین مضمون پر مٹھائی کھلانے اور کچھ نے جشن منانے کا مطالبہ کردیا تھا۔جب کہ بعض فقہانے ان پر یک سالہ بکرے کے وجوب کا فتویٰ صادر کردیا تھا۔

اس مطالبے کو میں نے ایک مضمون کی شکل دے کر ایک ظرافتی مضمون "صدقۂ احباب" کے نام سے لکھا اور اسے پیغام کے شمارے میں جگہ دیدی۔ اور مولانا اسعد الاعظمی سے تقاضا کیا کہ وہ خیال خاطر احباب کرام کے طور پر مداحوں کی آرزوئے دلی کا احترام کرتے ہوئے" جشن منانے کی تاریخ کا اعلان" کریں اور آبگینوں کو کسی قسم کے انکار سے ٹھیس نہ لگے، اس کو مدنظر رکھیں۔ انہوں نے رمضان گزار کر عید الفطر کے بعد کی تاریخ کا جب اعلان کر دیا تو میں نے خلافِ معمول کچھ بڑی محفل کے انعقاد کا فیصلہ کرلیا، رمضان کے ایام مبارکہ چل رہے تھے، مولانا مطیع اللہ مسعود قاسمی صاحب برج خلیفہ کے زیر سایہ دبئی اور شارجہ کی سمندری ہواؤں سے لطف اندوز ہورہے تھے، اس لیے ان سے مشورے کے لیے واٹس ایپ کا سہارا لینا پڑا، برادر عزیز اسعد الاعظمی کی جانب سے تاریخ کے متعین ہوجانے کے بعد دعوت نامے کے بنوانے کے لیے میں نے ایک صاحب سے رابطہ کیا، اس کے بعد میں نے طے کیا کہ کیوں نہ اس بار بڑا پروگرام کرکے اپنے ان بچھڑے ہوئے احباب کو بھی شریک محفل کرلیا جائے جو پورہ معروف کے باہر کے ہیں، مگر دل کے اندر ان کی دلگداز یادیں کئی دہائیوں سے ڈیرہ جمائے بیٹھی ہوئی ہیں۔ جو اکثر مولانا اسعد کی خیریت کے بارے میں مجھ سے دریافت کرتے رہتے ہیں، اس کے علاوہ اسعد کو بھی ان سے ملاقات کا اشتیاق رہا کرتا تھا کہ فلاں فلاں ساتھی کہاں ہیں اور کیا کر رہے ہیں؟

چنانچہ دعوت نامہ مکمل ہوگیا اور اس میں جلسہ کا عنوان" دیوبند کی یادیں" دیدیا گیا، لوگوں کو جوڑنے کے لیے اس سے بہتر کوئی دوسرا عنوان کیا ہوسکتا تھا، کیوں کہ یہ عنوان یاد ماضی کی پرتوں کو کھولنے اور اس پر بولنے کے لیے سب سے زیادہ مناسب تھا، جب دعوت نامہ تیار ہوگیا تو اب مرکزی عنوان کے تحت کچھ ذیلی عنوانات کی جانب اشارہ کرنا ضروری تھا، اس لیے میں نے دیوبند سے وابستہ بیس تیس عنوانات لکھ دیے، تاکہ ہر ایک کو کچھ اظہار خیال کرنے کے لیے آسانی ہو جائے۔

جن احباب کا میرے پاس نمبر تھا اور ان کا واٹس ایپ چلتا تھا، عجلت میں ان کے یہاں اس دعوت نامے کو بھیجنا شروع کردیا، ساتھ ہی ذیلی عنوانات بھی ارسال کردیے، رمضان کے ایام ہونے کے باوجود کچھ حضرات نے اس طرح کے پروگرام پر حوصلہ افزائی کی جس سے میرے دل کو تقویت پہنچی اور حوصلوں کو توانائی ملی۔ اسی کے ساتھ میں نے واسطہ در واسطہ اپنے احباب اور ہم عصر ساتھیوں کے نمبرات حاصل کرنے شروع کردیے۔ اور مسلسل رابطے میں لگا رہا۔

مقامی علمائے کرام؛ جن سے چلتے پھرتے ملاقاتیں ہوگئیں انہیں برادرم اسعد الاعظمی کی آمد اور بالکل نئے عنوان پر ادبی و ثقافتی محفل آراستہ کرنے کی اطلاع دی اور انہیں بزم نا ؤ نوش کے سجنے کی بھی نوید سنائی۔ آخری عشرے میں معتکف ہونے کے احترام میں بار بار خلائق سے علائق رکھنے میں حجاب بھی محسوس ہوتا تھا، مگر عید سے قبل تمام پروگراموں کی اطلاع دینا بھی ضروری تھا۔ اس لیے موقع محل کی نزاکت کو بھانپ کر رابطہ جاری رہا۔ میں نے جب سبھی احباب کی ایک مجموعی فہرست بنائی تو اندازہ ہوا کہ تقریباً 60 حضرات ایسے ضرور ہونگے جو شرکت کرسکیں گے۔

موسم کی شدت کے پیش نظر میں نے پروگرام کی ترتیب یہ بنائی کہ سبھی مدعوین حضرات عصر کی نماز ہمارے محلہ بلوہ پر پڑھیں، عصر سے مغرب تک عصرانہ ہوگا جس میں احباب ایک دوسرے سے ملاقاتیں کریں گے اور ایک دوسرے کی خیریت دریافت کرنے کے ساتھ چائے پانی سے بھی لطف اندوز ہوں گے۔ مغرب کی نماز کے بعد متصلاً دیوبند کی کھٹی میٹھی یادوں کی پر رونق اور شگفتہ بزم آرائی ہوگی، عشا کی نماز تاخیر سے پڑھنے کے بعد عشائیہ ہوگا جس میں محفل کے سبھی احباب شریک ہوں گے۔ غیر مقامی حضرات کے لئے یہ وقت اس اعتبار سے کچھ تشویش ناک لگا کہ گھر واپسی میں تاخیر ہوجائے گی، جب کہ یہاں کا راستہ سخت ناہمواریوں کا شکار ہے اور اس تعلق سے بہت بدنام بھی ہے۔

اس لیے جن حضرات نے محفل میں شرکت کا عزم کیا، انہوں نے آٹو رکشہ ریزرو کرلیا، یا اپنی نجی گاڑی سے تشریف لائے۔ محب گرامی مولانا ارشاد خلیل صاحب کے ذریعے مئو کے ساتھی مولانا محمد شعیب قاسمی کا نمبر ملا، اور ان سے تفصیلی گفتگو کے بعد مولانا محمد رفیق احمد صاحب، مولانا فیاض صاحب، مولانا ذکاء اللہ صاحب، مولانا اشتیاق احمد صاحب، مولانا انظر کمال صاحب اور بڑے مولانا کے پوتے مولانا راشد (صابر حبیب الاعظمی) کا نمبر ملا، علاوہ ازیں ان کی توجہ سے مولانا محمد اقبال اور مولانا مسعود الحسن صاحب بھی رابطے میں شامل ہوگئے، اس لیے میں ان کا بے انتہا شکر گزار ہوں۔

ہندوستان میں شاید پہلی بار دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے 40 سال بعد دیوبند کی نسبت پر کسی ضلع کے کلاس فیلو اور ہم عصر احبابِ کرام جمع ہونے والے تھے۔ایک بیدار مغز دوست نے حوصلہ افزائی کرتے اور اس کی ضرورت کا اظہار کرتے ہوئے فون پر کہا کہ جس طرح علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے ابنائے قدیم سال میں سرسید ڈے منانے کے لیے جمع ہوتے ہیں اور اپنی مادر علمی کی محبت میں اکٹھا ہوکر تعلیم کو عام کرنے اور سرسید کے مشن کو آگے بڑھانے کی حکمت عملی اختیار کرتے ہیں، اسی طرح دارالعلوم دیوبند کے ابنائے قدیم کے باہم روابط کو زندہ اور مضبوط کرنے کے لیے ان کو جمع ہونا چاہیے اور تعلقات کو وسعت دینا چاہیے۔

رفتہ رفتہ خیر آباد، محمد آباد، مبارک پور، جہانا گنج، مئو، گھوسی، کوپا گنج، ادری، اور کوئریا پار کے احباب کا فون نمبر ملتا گیا اور باتیں پھیلتی رہیں، یہاں تک کہ ایک دن سفیر دارالعلوم دیوبند اور اپنے ساتھی مولانا محمد مزمل صاحب کا فون آیا کہ دیوبند کی یاد میں کیسا پروگرام کررہے ہیں؟ مجھے ان کی اس اطلاع پر تعجب ہوا، میں نے سوال کیا کہ آپ کو کیسے علم ہوا کہ میں دیوبند کی یاد میں کوئی پروگرام کرنے جارہا ہوں؟انہوں نے کہا کہ مجھے علم نہیں ہوگا تو کس کو ہوگا؟ یہ میرا علاقہ ہے، میرے پاس مؤکل ہیں، انہوں نے پوچھا کہ کیا یہ بات صحیح نہیں؟ میں نے کہا کہ آپ تک صحیح معلومات پہنچی ہے،مگر میں اس انکشاف پر حیران ہوں۔انہوں نے کہا کہ میں اس وقت مولانا شعیب صاحب مئو کے پاس موجود ہوں۔ راقم الحروف نے مولانا شعیب کو اس کی خبر کردی تھی۔ میں نے پھر مولانا کو بھی اس پروگرام میں شرکت کی دعوت دی، وہ بھی بہت خوش تھے، کہا کہ اگر آنے کی صورت بنے گی تو حاضر ہو جاؤں گا۔

کوپا گنج کے ساتھی مولانا رفیع اللہ صاحب کا نمبر بھی بڑی مشکل سے ملا، اسی طرح مولانا شفیق احمد سے بھی رابطے میں کافی دقت ہوئی۔ مجھے کیا خبر تھی کہ ایک مولانا شفیق نام کے تین تین مولانا شفیق سے ہم کلام ہونا پڑے گا؟البتہ خیر آباد کے احباب سے رابطے میں آسانی ہوئی اور ایک ہی شخصیت کے ذریعے کئی شخصیات کا رابطہ نمبر مل گیا۔لوگوں سے فون کے ذریعے اندازہ ہوا کہ جن جن حضرات سے بات چیت ہوگئی ہے ان میں سے اکثر حضرات پروگرام میں شرکت کریں گے، البتہ محفل چوں کہ رات کو آراستہ ہونے والی تھی اور پورہ معروف کی مسافت بھی اچھی خاصی تھی اس لیے بعض لوگوں کو تردد ہوا، جب کہ اس کے حل کے لیے کئی لوگوں نے آٹو رکشہ طے کرلیا۔

عیدالفطر کے قریب ایک دن ذہن میں یہ خیال کوندا کہ کیوں نہ اس مناسبت سے چند حضرات کو ان کی ممتاز اور مسلسل ادبی خدمات کے اعتراف میں ان کی حوصلہ افزائی کے واسطے ایوارڈ دیا جائے۔مگر اس کے لیے کام زیادہ اور افراد کم تھے، دوسری بات یہ کہ رمضان المبارک میں یہ سب کام بڑا مشکل تھا، کیوں کہ اس کے لیے شہر مئو جانا بھی ضروری تھا۔

ایوارڈ دینے کا فیصلہ اس لیے کیا گیا کہ اس جانب سے بڑی بے اعتنائی برتی جاتی ہے، اپنے اپنے میدان میں کئی دہائیوں سے بے لوث خدمت کرنے والے قدر شناسی اور قدر و منزلت سے محروم ہو کر دنیا سے رخصت ہو گئے، اعلیٰ معیار کی ادبی خدمات انجام دینے والے اور ایک درجن سے زائد تصنیفات کے مالک ادبا اور شعرا اب تک کسی افراد، تنظیم اور سرکاری اکیڈمیوں کی جانب سے ایوارڈ کو ترس رہے ہیں، جب کہ بعض کوتاہ قامت اور غیر مستحق مگر چاپلوس افراد کی جھولیوں میں کئی کئی ایوارڈ پڑے ہوئے ہیں۔

اس کمی کو دور کرنے اور حقدار حضرات کو ان کا حق دلانے کے لیے ارادہ ہوا کہ اس قسم کے انعام اور قدر دانی کی ابتدا کی جائے۔ یہ پروگرام کسی تنظیم کی جانب سے منعقد نہیں کیا گیا تھا، حالانکہ تنظیمیں موجود تھیں، لیکن آزادانہ طور پر کام کرنے اور اس میں کسی اور پروگرام کو شامل کرنے میں اختیار حاصل ہوتا ہے، اس لیے یہ راہ اپنائی گئی ۔ارادہ ہوا کہ دو ایوارڈ دیا جائے، جس میں سے ایک انعام کسی بھی فرد کی مجموعی ادبی خدمات کے حوالے سے ہو، جب کہ دوسرا ایوارڈ ادب اطفال کے تعلق سے ہو، کیوں کہ آج کے دور میں اگر بچوں کو اردو لکھنے پڑھنے اور اردو زبان سے محبت کرنے کے لیے آمادہ نہ کیا گیا تو کل جوان ہونے والی نسلوں میں اردو زبان زندہ نہیں رہ پائے گی، ادب اطفال کو موضوع بنا کر ترجیحی طور پر لکھنے والوں کی یوں بھی بہت کمی محسوس کی جاتی ہے، اس لیے اس میدان میں کام کرنے والوں کی حوصلہ افزائی بہت ضروری تھی۔

چوں کہ مولانا اسعد الاعظمی صاحب سعودی عرب سفارت خانے میں ایک طویل عرصے سے عربی اور انگریزی زبان میں ترجمہ کا کام کرنے کے ساتھ اردو صحافت کے میدان تنظیم ابنائے قدیم

دارالعلوم دیوبند سے وابستہ ہوکر اس کے رسالہ" ترجمان دارالعلوم، جدید" کے دس سال تک مدیر بھی رہے،اس دوران ان کا عظیم کارنامہ ترجمان دارالعلوم کا" مولانا وحیدالزماں کیرانوی"ضخیم نمبر نکالنا ہے، جس کے صفحات 600 سے زائد تھے، جو علمی و ادبی حلقوں میں بےانتہا مقبول ہوا۔اس کے ساتھ ہی ترجمہ کے میدان میں حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی خود نوشت "نقش حیات" کا عربی ترجمہ ہے، نیز عربی کتاب" الماسونیۃ" کا اردو ترجمہ ہے جو دارالمؤلفین دیوبند سے شائع ہوا،ابھی دو سال قبل مولانا محمد اسعد الاعظمی نے اپنے والد مرحوم کی حیات وخدمات کو اجاگر کرنے کے لیے " مولانا محمد عزیر قاسمی" کتاب مرتب کر کے خوبصورت انداز میں شائع کی ہے۔

دوسری جانب ادب اطفال کے موضوع پر راقم الحروف کی 11 کتابیں شائع ہو چکی ہیں، جن میں 7 کتابیں سائنس کے موضوع پر بچوں کے لیے نظم کی صورت میں موجود ہیں،اور قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نئی دہلی سے شائع ہوئی ہیں،اور 3 کتابیں ادب اطفال کے تعلق سے نثر اور نظم میں دیگر اداروں سے طبع ہوئی ہیں۔ جب کہ دوسری اور کتابیں بڑوں کے لیے بھی شائع ہوئی ہیں۔

اس لیے ادب کی مجموعی خدمت انجام دینے والے مولانا اسعد الاعظمی کو اور ادب اطفال کا یہ ایوارڈ راقم الحروف انصار احمد معروفی کو پورہ معروف کی ایک تنظیم" معروفی ایجوکیشنل فاؤنڈیشن"؛ جس میں زیادہ تر حضرات فضلائے دارالعلوم دیوبند ہیں، نے تفویض کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔فیصلہ یہ بھی کیا گیا کہ آئندہ سے ان شاءاللہ ہر سال یہاں کی باکمال اور نمایاں شخصیات کو ایوارڈ سے نوازا جائے گا تاکہ کسی بھی میدان میں نمایاں خدمات انجام دینے والی شخصیات کی عزت افزائی ہو اور ان کے اندر مزید خدمت کرنے کا جذبہ پیدا ہو سکے۔

اپنے ہم عصر دیوبند کے تمام احباب سے مسلسل رابطے کا مثبت اثر یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اکثر حضرات نے پروگرام میں شرکت کی خوشخبری سنائی، آخر آخر تک اپنے ساتھیوں کی فہرست بنانے اور مختلف جگہ کے احباب سے تمام ساتھیوں کی اطلاع دینے کے باوجود چند ساتھی چھوٹ ہی گئے جن کے یہاں کوئی دعوت پہنچی نہ ہی انہیں کسی اور ذرائع سے اس پروگرام کے انعقاد کی اطلاع پہنچ سکی، ان میں پورہ معروف کے مولانا مختار احمد ابن عبدالمتین صاحب قاسمی ،مئوشہر کے مفتی منور اور مولانا منور، کوپاگنج کے مولانا عزیز اللہ اور مولانا شکیل شامل ہیں ، جب کہ گھوسی کے مولانا شاہد کمال صاحب بھی اسی فہرست میں شامل ہیں،جس پر بعد میں بہت افسوس ہوا، حالاں کہ تمام ساتھیوں سے درخواست کی گئی تھی کہ اپنے دور کے کوئی اور صاحب علم اگر موجود ہوں تو مطلع کریں اور ان کا نمبر بھی ارسال کریں۔

اب تک نہ تو کبھی کسی ایوارڈ کی تقسیم میں شرکت ہوئی تھی نہ ہی کبھی کسی شخصیت کو ایوارڈ دیا تھا نہ ہی مجھے ملا تھا،ایک بار 2021 میں تسنیم جعفری ایوارڈ لندن و پاکستان (من جانب پریس فار پیس، رائٹرز گروپ) سے مجھے دینے کا فیصلہ کیا گیا تھا،اور وہ ایوارڈ تمام منتخب شخصیات کو ایک فنکشن میں مدعو کر کے پیش کیا گیا تھا مگر پاکستان میں دیے گئے اس ایوارڈ کی محفل میں میری شرکت نہیں ہو سکی تھی، حالانکہ اس میں میرا نام پکارا بھی گیا تھا،جیسا کہ ایوارڈ کے پروگرام کی ویڈیوز دیکھنے سے معلوم ہوا، انہوں نے وعدہ بھی کیا تھا کوئی صاحب جانے والے ملیں گے تو ان کے ذریعے انڈیا میں اسے بھیجا جائے گا۔

اس وجہ سے ایوارڈ کے سامان کی تیاری میں مجھے دقت و دشواری ہوئی، دوسری جانب یہ بھی وجہ تھی کہ فاؤنڈیشن کے اکثر احباب اس دفعہ عید کے موقع پر پورہ معروف میں موجود نہیں تھے، صرف ڈاکٹر عدنان حبیب صاحب موجود تھے، جو پنچایت الیکشن کی مصروفیات میں گھرے ہوئے تھے،ان کی اجازت و رہنمائی سے میں نے توصیفی سند کا مضمون تیار کیا اور پھر اسے خوبصورت انداز میں طبع کرانے کے لیے اپنے دوست حافظ حمران مقیم دہلی سے رابطہ کیا،اس نے معروفی ایجوکیشنل فاؤنڈیشن کا" لوگو" مانگا، جسے اس کے چیئرمین مولانا شمیم مشتاق نے حیدرآباد سے بھیج دیا، اسے جب حمران کے یہاں ارسال کیا تو اس نے بہت خوبصورتی کے ساتھ اس کی ڈیزائننگ کر دی،جس کا میں نے اپنے یہاں پرنٹ آؤٹ نکلوالیا،اس توصیفی سند کو شیشے کے فریم میں مزین کرانے اور مومنٹو خریدنے کے لیے اپنے بڑے بیٹے مولوی محمد عبادہ کو مئو بھیجا تاکہ وہ ان کاموں کی تکمیل کے علاوہ پھولوں کا ہار اور مہمانوں کی ضیافت کے واسطے مٹھائی لا سکے۔

اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے یہ سارا کام پروگرام کے دن 24 اپریل 2023 کو مکمل ہو گیا، میں نے اور مولانا مطیع اللہ مسعود قاسمی صاحب نے بازار سے ایوارڈ کے لیے دوشالہ خریدا،اور پھر مومنٹو پر لوگو اور ایوارڈ کا نام اور مستحق کا نام وغیرہ کالم بھرنے کے لیے ضروری

تیاری کرلی۔ میں نے سوچا کہ کسی طرح کہیں سے پانچ دس ہزار رقم کا انتظام ہوجاتا تو اسے ایوارڈ میں دیدیا جاتا اور اس کی وقعت میں اضافہ ہوجاتا۔ بہت سوچنے پر رمضان ہی میں اپنے اسی دور کے ایک ساتھی مولانا نورالہدیٰ صاحب قاسمی کا نام ذہن میں آیا جو حضرت مولانا عبد الرحیم صاحب بستوی استاذ دارالعلوم دیوبند کے صاحب زادے ہیں، وہ اس وقت لندن میں تھے، اور دو تین دن قبل فون پر ان سے بات ہوچکی تھی، ان سے اس ایوارڈ کے متعلق بات چیت کی اور ان سے اس تعلق سے کچھ نقد تحفہ دینے کے لیے آمادہ کیا، اللہ تعالیٰ کے فضل سے وہ پانچ ہزار دینے کے لیے رضامند ہو گئے اور کہا کہ لندن سے میری واپسی مئی کے پہلے ہفتے میں ہوگی، یہ رقم آپ کہیں سے قرض حسنہ کے طور پر لے لیں، میں دیوبند آنے کے بعد اسے ادا کردوں گا۔ مولانا نورالہدیٰ صاحب ہمارے درسی ساتھی ہیں اور دیوبند میں ان کا ادارہ دارالعلوم فاروقیہ نام سے کئی سال سے جاری ہے جس میں عربی پنجم تک ٹھوس تعلیم دی جاتی ہے، نیز ضلع بستی کے ان کے گاؤں دریاباد میں بھی ایک ادارہ دارالعلوم رحیمیہ کے نام سے تعلیم کو عام کرنے اور جہالت کی تاریکیوں کو دور کرنے میں مصروف ہے۔

مولانا مطیع اللہ مسعود قاسمی صاحب کے بیمار ہوجانے اور وقت کی قلت کے باعث پروگرام کی ترتیب بنانے اور محنت کرنے میں بھی کافی دشواری ہورہی تھی، پروگرام کے دن کئی آرٹ پیپر کو جوڑ کر جلی حروف میں "دیوبند کی یادیں" وغیرہ کی کتابت کر کے بچوں سے اس کی تزئین کرائی۔

پروگرام کی تیاریوں کی بھیڑ بھاڑ میں ماہنامہ پیغام کو مرتب کرنے کا کام بھی عید کے انہی دنوں میں اس لیے کرنا پڑا کہ اپریل کا شمارہ رمضان سے قبل تیار نہیں ہوسکا تھا، مضامین کا انتظار تھا، میرے مضامین تو موجود تھے، مگر ابھی باقی مضامین نہیں مل سکے تھے، اسی دوران مولانا مطیع اللہ صاحب دبئی وغیرہ چلے گئے، ان کو دبئی وغیرہ کے سفرنامے لکھنے کے لیے آمادہ کیا، اور مولانا اسعد الاعظمی سے ان کے سفرنامے کے لیے دباؤ ڈالا، ارادہ کیا کہ اگر یہ لوگ اپنے سفرنامے بھیج دیں تو اپریل کے شمارے کو" سفرنامہ نمبر" بنا کر شائع کردیا جائے۔ اور اللہ کے کرم سے ایسا ہی ہوا۔ مولانا مطیع اللہ مسعود قاسمی نے دبئی اور شارجہ کا، مولانا اسعد الاعظمی نے ایمسٹرڈیم اور گھانا کا، میں نے بہار کے سفرنامے کو مرتب کر کے اپریل 2023 میں شائع کردیا۔ مگر اس کے لیے عید کا انتظار کرنا پڑا۔

معتکف سے نکلنے کے بعد ایک دم سارے کام کا بوجھ میرے اوپر ایسا ٹوٹ کر آ گیا کہ رات کو دو دو بجے کے بعد کچھ نیند لگتی پھر آنکھ کھل جاتی، پروگرام کے دن اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے پیغام مکمل ہوکر فوٹو اسٹیٹ کے لیے بھیج دیا، ساتھ ہی مولانا اسعد الاعظمی کا سائیکل والا مضمون اور اس سے متعلق اپنے مضمون" صدقۂ احباب" کو ایک جگہ پیسٹ کر کے الگ سے اس کی 20 کاپیاں نکلوالی تاکہ اسے بھی پیغام کے ساتھ تقسیم کیا جاسکے۔

اجلاس کے مقام کو منتخب کرنے کے لیے اس وجہ سے ذرا پس وپیش تھا کہ پنچایت الیکشن کی تاریخ کا اعلان کردیا گیا تھا، جس کی وجہ سے کسی جگہ پروگرام کرنے میں بھی سر پر خوف کے بادل منڈلا رہے تھے، جس کی جانب کچھ محبین نے بھی توجہ دلائی تھی، مگر مسئلہ یہ تھا کہ اگر اجازت طلب کرنے جاتے تو اجازت نہ ملتی، اس لیے پروگرام کی اجازت کے تعلق سے کوئی پیش قدمی نہیں کی گئی، اس موقع پر بحرالعلوم حضرت مولانا نعمت اللہ صاحب اعظمی استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند بھی گھر پر موجود تھے، مولانا انظر کمال صاحب جب پورہ معروف پروگرام کے واسطے تشریف لائے تو ان سے بھی مولانا اعظمی نے میرے پروگرام کے پرمیشن کا تذکرہ کیا، پروگرام کی جگہ کے انتخاب میں میں نے مدرسہ تعلیم القرآن کو ترجیح دی، اور اس کے حالیہ ناظم مولانا قمرالزماں صاحب قاسمی سے بات کی گئی، انہوں نے اجازت دے دی اور اس کی صفائی بھی کرادی، اس مدرسہ کے صحن میں پروگرام رکھا گیا، اور ساتھ ہی کئی کمرے بھی انہوں نے دے دیے، متعینہ تاریخ میں جب میں اور مولانا مطیع اللہ مسعود صاحب جلسہ گاہ کا جائزہ لینے کے لیے پہنچے تو دو ماہ تک مدرسہ بند رہنے کی وجہ سے اس کی زبردست صفائی کے پیشِ نظر مدرسہ کے اساتذہ اپنے ناظم اعلیٰ کی موجودگی میں بچوں کے ساتھ مل کر صفائی میں منہمک تھے۔

سامعین کی تعداد (70) کے پیشِ نظر بڑے ہارن کی جگہ صرف ایک ساؤنڈ کا انتظام کیا گیا، میرے بھانجے مولوی حذیفہ اسجدی کے ذریعے یہ سہولت مہیا ہوگئی اور انہی کے ذریعے پروگرام کی ریکارڈنگ بھی کرائی گئی، تمام سامعین کی خاطر کرسیوں کا انتظام کردیا گیا تھا، اسٹیج کے لیے بڑی بڑی تین میزیں لگائی گئیں، جن پر خوبصورت اور صاف چادر بچھا کر اسے مزین کردیا گیا، عصرانے کے واسطے ناشتے پانی اور

چائے پان کا مکمل نظم کیا گیا، کیوں کہ تمام مہمانانِ گرامی کو عصر کے وقت مدعو کیا گیا تھا، دوسری جانب عشائیہ کے واسطے اچھی بریانی بنانے کے لیے مشہور طباخ حاجی شمس الزماں اور جناب ذکی الرحمن صاحب کی خدمات حاصل کی گئیں۔

پہلے سے ہی میرا خیال تھا کہ پروگرام دیر تک چلے گا، اگر چہ مکمل اندازہ نہیں تھا کہ کب تک تقریر وخطابت سے محفل گرم رہے گی؟ کیوں کہ شرکا میں سے کون کون دیوبند کی یادوں کو شیئر کریں گے اور کون کون نہیں؟ اس کا بخوبی علم نہیں تھا، کیوں کہ کتنے ساتھیوں سے لمبے عرصے کے بعد ملاقات کا شرف حاصل ہونے والا تھا، کتنے لوگ اسٹیج پر آتے ہوئے گھبراتے ہیں اور بہت سے لوگ ایسا موقع تلاش کرتے ہیں اور موقع پا کر حدود سے بھی تجاوز کر جاتے ہیں۔ پروگرام کے دن ایک طرف خوشی کے احساس میں اضافہ ہوتا جاتا تھا، تو دوسری طرف کچھ خوف بھی تھا۔

خوشی تو اس بات کی تھی کہ پہلی بار اس طرح کے پروگرام (دیوبند کی یادیں) کے انعقاد کی سعادت حاصل ہو رہی تھی، بھولے بسرے ساتھیوں سے ملاقات کا شرف حاصل ہونے والا تھا، دیوبند کی نہ جانے کتنی خوشگوار یادیں؛ جنہیں ہم بھول چکے تھے، آج وہ منظر عام پر آنے والی تھیں، مگر ڈر بھی اس بات کا تھا کہ اگر ہمارے احباب گرامی کسی مجبوری کی وجہ سے محفل میں شریک نہ ہو سکے، یا قصبہ کی انتظامیہ کی جانب سے کوئی باز پرس ہوئی تو بڑی خجالت کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اطمینان کی بات یہ تھی کہ صاحب اعزاز برادرم اسعد الاعظمی اسی دن وقت مقررہ پر ظہر سے قبل اپنے گھر تشریف لا چکے تھے۔ جن سے ملاقات کے لیے بہت سے احباب متمنی تھے۔ اور ان کو بھی خود ہمدم دیرینہ سے ملنے کا اشتیاق تھا۔

رمضان المبارک میں معتکفین اور دیگر صلحا حضرات سے درخواست کر دی گئی کہ وہ دیوبند کی محبت میں منعقد ہونے والے اس ادبی پروگرام کی کامیابی کے لیے خصوصی دعا فرمائیں، خود بھی اہتمام کیا، اور دوسرے اکابر سے بھی استدعا کی۔

مولانا مطیع اللہ مسعود قاسمی صاحب نے ایک دن ذکر چھیڑا کہ کس کی صدارت میں محفل سجائی جائے گی؟ میں نے جواباً عرض کیا کہ ہاں یہ مسئلہ تو درپیش ہے، آپ کی کیا رائے ہے؟ آرا کے تبادلے کے بعد میں نے مولانا مطیع اللہ صاحب کی خواہش کے مطابق حضرت مولانا شبیر احمد مشتاق صاحب؛ جو ہم لوگوں سے چھ سات قبل کے متخرجین دارالعلوم میں سے ہیں، کو صدر مجلس بنانے کا فیصلہ کیا اور پھر مولانا سے اس سلسلے میں بات کی گئی، انہوں نے تواضعا ایک اور صاحب کے حق میں رائے دی، مگر میں نے عرض کیا کہ آپ ہی کو صدارتی کرسی سنبھالنی ہے، بالآخر انہوں نے ہامی بھر لی، پروگرام کے دن انہوں نے عصر کی نماز کے بعد جس وقت کہ مہمانانِ گرامی آ چکے تھے اور زیارت و ملاقات کے ساتھ عصرانے کا لطف اٹھا رہے تھے، اس وقت مولانا شبیر احمد صاحب جلسہ گاہ کے قریب ایک مسجد میں پروگرام کی کامیابی کے لیے مصروف ذکر و دعا تھے۔ یہ بات مجھے اس وقت معلوم ہوئی جب وقتِ مقررہ پر چائے پان کے موقع پر ان کی تلاش ہوئی۔ جزاہ اللہ تعالیٰ خیر الجزاء۔

اب وقت آ گیا تھا جب مہمانوں کے قافلے پروگرام میں شرکت کے لیے نکلیں، اور کشاں کشاں محفل احبابِ گرامی میں سرور و انبساط کے ساتھ پہنچیں۔ ویسے تو فون پر باہر کے سبھی احباب جائے وقوع کے متعلق دریافت کر چکے تھے، اکثر حضرات مدرسہ معروفیہ سے واقف تھے، مگر مدرسہ تعلیم القرآن کے حدودِ اربعہ سے لاعلم تھے، عصر کے قریب بہت سے احباب نے دوبارہ فون کر کے پہنچنے کے راستے کی معلومات حاصل کی، ان کی تشریف آوری سے میری خوشیوں میں اضافہ ہوتا جاتا تھا، وعدے کے پابند کئی حضرات نے عصر کی نماز مسجد فاطمہ پر پڑھی، جب کہ کچھ احباب نے دوسری مسجدوں میں عصر کی نماز ادا کی، بہر حال اکثر حضرات عصر کے بعد آ گئے اور سیدھے مدرسہ میں پہنچ گئے، وہاں مہمانوں کے بیٹھنے اور ان کی ضیافت کے تمام سامان مع خدام موجود تھے۔ جب کہ کچھ لوگ میرا نام پوچھتے ہوئے گھر بھی تشریف لائے۔ ایسے ہی واردین میں میرے ایک دوست تھے جن سے شاید چالیس سال کے عرصے میں صرف دوبار ملاقات ہوئی تھی اور یہ ان سے دوسری ملاقات تھی، میں عصر کی نماز ادا کرنے جب مسجد پہنچا تو دیکھا کہ ایک صاحب میری عمر سے کچھ اوپر کے کرتا پاجامہ کے ساتھ صدری زیب تن کیے ہوئے وضوخانے سے نکل کر جماعت میں شرکت کے لیے بڑھ رہے ہیں، پاؤں سے معذور اس طور پر تھے کہ چلنے میں ان کو دشواری ہو رہی تھی، پنڈلی کی ہڈیاں کچھ زیادہ خمیدہ تھیں، میں نے ان کو دیکھ کر یہ سمجھا کہ یہ شاید میرے کسی ساتھی کے ساتھ پروگرام میں تشریف لائے ہیں جن سے میں ناواقف ہوں، شاید 15

سال قبل ان سے ملاقات خیرآباد میں ہوئی تھی، عصر نماز کے بعد مسجد میں حضرت مولانا مفتی محمد اسعد قاسمی صاحب سے ملاقات ہوئی، دو منٹ ان کے پاس بیٹھ کر مدرسہ میں پہنچنے کی درخواست کی، گھر آنے کے بعد دیکھا کہ وہی صدری والے صاحب میرے مہمان خانے میں تشریف فرما ہیں، اور دوسری جانب کوئر یا پار کے میرے سمدھی کاتب عبدالرحمن صاحب موجود ہیں، مجھے خیال گزرا کہ شاید کاتب صاحب کے ہمراہ یہ مہمان وارد ہوئے ہیں جن سے میری شناسائی نہیں ہے، اور ان کو پہلی بار دیکھ رہا ہوں۔

گھر کے اندر پہنچا تو مولانا ڈاکٹر محمد ممتاز صاحب کے نام سے محفوظ کردہ فون سے گھنٹی بجی، انہوں نے کہا کہ میں آپ کے مہمان خانے میں بیٹھا ہوا ہوں، شاید آپ کو مجھے پہچاننے میں مغالطہ ہو رہا ہے، میں دوڑ کر اندر آیا تو موبائل ان کے کان سے لگا ہوا تھا، اب فورا انہیں دیکھ کر تاڑ گیا اور خوشی وشرمندگی کے ملے جلے جذبات کے ساتھ ٹوٹ کر ملا، اور سب کو لے کر پروگرام میں پہنچا، جب تک راستے میں مئو کے مولانا اقبال احمد صاحب نے فون پر اطلاع دی کہ ہم لوگ مدرسے میں داخل ہو چکے ہیں، آپ کہاں ہیں؟ وہاں تیزی سے دھڑکتے دل کے ساتھ پہنچا تو مئوناتھ بھنجن، خیرآباد وغیرہ کا پورا قافلہ گاڑی سے خوشی خوشی اتر رہا تھا، مدرسے کے متصل آبادی کے باشندگان اتنے زیادہ علمائے کرام کی آمد پر بہت مسرور نظر آرہے تھے اور ساتھ ہی ساتھ ان کی خدمت میں لگے ہوئے تھے، میں نے پہلے ہی وہاں کے سرگرم حضرات سے اس پروگرام کے متعلق عرض کر دیا تھا اور انہیں باقاعدہ دعوت بھی دے دی تھی، جس کا ان لوگوں پر بہت خوشگوار اثر پڑا۔ مدرسہ تعلیم القرآن کے احاطے میں کوئی وسیع صحن تو نہیں ہے، مگر چند کمروں کی تعمیر کے لیے جو جگہ چھوٹی ہوئی ہے، اس میں پچاس ساٹھ کرسیاں ڈال دی گئی تھیں، جن پر مہمانان گرامی براجمان تھے اور فراخ دلی سے ایک دوسرے سے بڑھ کر گرم جوشی کے ساتھ سلام و مصافحہ کے ساتھ معانقہ بھی کر رہے تھے۔ میں نے برادرم اسعد الاعظمی کو فون کیا تو وہ بھی کئی حضرات کے ہمراہ بہت جلد مدرسے میں داخل ہو گئے۔ میں نے باری باری سب سے سلام ومصافحہ کیا، ان کی تشریف آوری پر خوشی کے اظہار کے ساتھ انہیں مرحبا کہا، سب لوگ اس ملاقات پر بے انتہا فرحاں وشاداں تھے، تبھی برادرم اسعد الاعظمی بھی داخل ہوئے اور پھر وہی حال ہوا کہ:

وہ آئے بزم میں اتنا تو میر نے دیکھا
پھر اس کے بعد چراغوں میں روشنی نہ رہی

اب صرف اسعد الاعظمی کا چراغ روشن تھا جن سے سب لوگ مل رہے تھے اور اپنا تعارف کرا رہے تھے، میں نے جب دیکھا کہ تعارف میں دقت پیش آرہی ہے تو ترجمان کے طور پر باری باری سب سے تعارف کے ساتھ ملوانے لگا، سلام، مصافحہ اور معانقہ سے جب فراغت حاصل ہوئی تو اطمینان سے حال احوال اور دیگر باتیں ہوتی رہیں اور اس کے ساتھ ہی چائے نوشی بھی جاری رہی۔ ملنے ملانے کا یہ یادگاری سلسلہ جاری رہا اور 40 سال کے طویل زمانے کے بعد کی یہ ملاقات کافی خوشگوار اور فرحت بخش رہی، اسی دوران نماز مغرب کے لیے آواز دی گئی اور سب لوگ اللہ کے گھر کی جانب چل دیئے۔

مغرب کے بعد فوراً ہی پروگرام میں نے شروع کر دیا، اسٹیج کی جانب 7 کرسیاں لگا دی گئی تھیں، میں نے ان کرسیوں کو رونق بخشنے کے لیے باری باری اہم شخصیات کو مجمع سے دعوت دی، سب سے پہلے صدارتی کرسی سنبھالنے کے لیے حضرت مولانا شبیر احمد مشتاق صاحب کو ان کے جامع تعارف کے بعد مدعو کیا، اس کے بعد صاحب اعزاز برادرم مولانا محمد اسعد الاعظمی کو آواز دی، بعدہ مئو شہر کی نمائندگی کے واسطے مولانا انظر کمال صاحب کو بلایا، اس کے بعد خیرآباد کے معزز دوست مولانا کمال اختر کو رونق اسٹیج کے لیے منتخب کیا، جب دو دو صاحب کمال حضرات اسٹیج پر تشریف لا چکے تو کوپا گنج سے مفتی محمد اسعد صاحب قاسمی کو دعوتِ اسٹیج دی، مفتی صاحب کے تشریف لاتے ہی اسٹیج پر دو باکمال شخصیت کے ساتھ دو دو اسعد جمع ہو کر قران السعدین کا مظہر بن گئے۔ میں نے نظامت کی کرسی سنبھالی اور دوسری کرسی پر تشریف رکھنے کے لیے مولانا مطیع اللہ مسعود قاسمی کو بلالیا۔

تمہید کے طور پر میں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے دارالعلوم دیوبند سے فیضیاب ہونے والے ہمارے اتنے ساتھی جمع ہو گئے، جو شاید کسی اور موقع پر اتنے اکٹھے نہیں ہو سکتے تھے، یہ حضرات اپنے اپنے میدان میں مختلف مقامات پر کام کر رہے ہیں، دارالعلوم کی نسبت بہت اونچی ہے اور مادر علمی کا انتساب قابلِ فخر ہے، آج کی اس بزم میں ہم دارالعلوم اور دیوبند کا تذکرہ کریں گے، اپنے اساتذہ اور ان کی خدمات کے ذکر خیر کے ساتھ احاطۂ دارالعلوم میں گزرے ہوئے دنوں کی یادوں کے چراغ روشن کریں گے، آج کے دن ہم یہ

سوچیں گے کہ دارالعلوم نے ہم کو کیا دیا اور صلے کے طور پر ہم نے اسے کیا دیا؟

میں نے مزید کہا کہ یاد ماضی زندگی کا خوشگوار حصہ ہوا کرتی ہے، ان یادوں کے سہارے انسان زندگی کی مشکلات کو آسان بنانے کی کوشش میں لگا رہتا ہے اور اس کے غم کے بوجھ کو ہلکا کرنے کی تدبیر کرتا رہتا ہے۔ ماضی کے تصورات میں کھو کر وہ کبھی من ہی من میں مسکرانے لگتا ہے تو کبھی کسی زخم کو یاد کرتے ہوئے کچھ دیر کے لیے نمدیدہ ہوجا تا ہے، دارالعلوم سے محبت کی وجہ سے ہمیں پورے شہر دیوبند سے محبت ہے، اس کی گلیوں سے محبت ہے، اس کے درودیوار سے محبت ہے بلکہ اس کی خاک کے ذرے ذرے سے محبت ہے، آج اسی محبت وشیفتگی کا اس خوبصورت محفل میں تذکرہ کریں گے، وہاں گزرے ہوئے دنوں کے تصور میں ڈوب کر حال کا ماضی سے رشتہ قائم کرکے فاصلوں کو ختم کرنے کی کوشش کریں گے۔ یادیں سب کو عزیز ہوا کرتی ہیں، بالخصوص دارالعلوم اور دیوبند سے منسوب یادیں کبھی ہم اپنے دل و دماغ سے محو نہیں ہونے دینا چاہیں گے۔ اسی لیے اس پروگرام کے نام کو وسعت دیتے ہوئے اسے دارالعلوم کے بجائے "دیوبند کی یادیں" رکھا گیا۔

ان ہی منتشر یادوں کو سمیٹنے اور ذہن سے سرکنے والے یادگار لمحات کو دل میں محفوظ کرنے کے لیے یہ محفل برپا کی گئی ہے۔ پروگرام کو باضابطہ طور پر شروع کرنے کے لیے میں نے اسی مدرسے کے ایک طالب علم اور اپنے سب سے چھوٹے لڑکے محمد منذر کو قرآت قرآن کریم کے لیے آواز دی، ماشاءاللہ محمد منذر نے سورۃ الفیل کی قرات بڑے اچھے انداز میں کی اور کئی لوگوں نے خوش ہوکر اسے انعام سے بھی نوازا۔فللہ الحمد۔

سامعین کی صف کی تمام کرسیاں بھر گئی تھیں، مزید محلہ کے باشعور حضرات نے کرسیوں کا نظم کردیا تھا، جس سے بڑی آسانی ہوگئی، اب بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں نعت وتوصیف کا نذرانہ پیش کرنے کے واسطے مولوی محمد حذیفہ اسجدی صاحب کو دعوت دی گئی، جو میرے بھانجے ہونے کے ساتھ مختلف مقامات پر نعت خوانی کے سلسلے میں سفر کرتے رہتے ہیں، جن کا "معروفی اسٹوڈیو" نام سے یوٹیوب چینل بھی ہے، اس پروگرام کی ریکارڈنگ بھی موصوف نے کرکے اپلوڈ کردیا ہے، موصوف نے بہترین ترنم میں نعت رسول پیش کی اور دادوتحسین سے نوازے گئے۔

تقریری سلسلہ شروع کرنے کے لیے محلہ کے ہم لوگوں سے پہلے کے عالم مولانا ارشاد احمد عمری کو دعوت دی گئی، آپ اسی مدرسہ تعلیم القرآن کے سابق ناظم اور دارالعلوم حسین آباد انجان شہید، اعظم گڑھ میں استاذ حدیث ہیں۔ آپ سے درخواست کی گئی کہ 1980 کے صد سالہ اجلاس دارالعلوم دیوبند کے بعد قضیہ نامرضیہ اور کیمپ نیز قبضہ کے بعد کے حالات پر روشنی ڈالیں، کیوں کہ اجلاس میں موجود تمام شرکا میں مولانا کی تنہا ذات ہے جو اس کے چشم دید گواہ ہے، کیوں کہ آپ اس وقت میں دارالعلوم کے طالبِ علم تھے۔ مولانا کی تقریر میں نے ایک دن قبل اطمینان کے واسطے سن لی تھی کہ موصوف بہت جلد خطاب میں اپنا موضوع تبدیل کرکے ایسے عنوان پر چلے جاتے ہیں جس کا ذکر نامناسب ہوتا ہے۔ خیر اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے موصوف نے اپنے متعینہ موضوع سے سرمو تجاوز نہیں کیا اور پندرہ منٹ میں دارالعلوم دیوبند میں اپنے داخلے، کیمپ اور فراغت تک کے واقعات بیان کرکے اپنی جگہ لی، آپ کی مکمل تقریر معروفی اسٹوڈیو یوٹیوب پر موجود ہے۔

اس کے بعد مولانا حشمت اللہ صاحب تشریف لائے جو محمد آباد گوہنہ سے مدعو کیے گئے تھے، آپ اس وقت اپنے یہاں ایک کالج میں استاذ ہیں، آپ نے کم وقت میں اپنے تعارف کے ساتھ دارالعلوم کی خوبیوں کو بیان کیا۔ مولانا وڈاکٹر محمد ممتاز صاحب کو پھر آواز دی گئی، آپ نے بتایا کہ دارالعلوم سے میری فراغت 1984 میں ہوئی، اور جے پور سے بی یو ایم ایس کرنے کے بعد اب محلہ میں ہی پریکٹس کرتا ہوں۔ آپ نے بھی اپنی یادوں کو نذرِ سامعین کیا۔

پھر مولانا فیاض احمد صاحب جو تعلیم الدین مئو سے تشریف لائے تھے، آپ نے دارالعلوم کی نسبت عالیہ اور وہاں کے طلبہ کی ہمت وشجاعت کے حوالے سے گفتگو کرتے ہوئے کئی واقعات بیان کیے اور کہا کہ ہر جگہ حق کے ساتھ رہنا چاہیے اور فتنہ وفساد سے دور رہنا چاہیے۔ انہوں نے اپنی تقریر میں دارالعلوم دیوبند کے متعلق کہا کہ حضرۃ الاستاذ مولانا مفتی سعید احمد پالن پوریؒ نے درس میں فرمایا تھا کہ دارالعلوم دیوبند ایک ادارہ نہیں؛ بلکہ ایک تحریک ہے، اس کا مقصد ہر باطل طاقتوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنا اور باطل تحریکوں کے سامنے جم جانا ہے۔

آپ کے ساتھی مولانا رفیق احمد صاحب مئو نے فضلائے کرام کو ہر میدان میں اخلاص کے ساتھ کام کرنے کی ترغیب دی، مدرسہ مرقاۃ العلوم مئو کے جز وقتی استاد اور تاجر مولانا اقبال احمد صاحب نے بڑے مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی صاحب کی ایک تقریر کی روشنی میں للّٰہیت کے ساتھ زندگی گزارنے کا پیغام دیا۔ کوپا گنج کے مولانا محمد صالح صاحب جن کی فراغت 1984 میں ہوئی، آپ جونپور کے مدرسہ قرآنیہ میں تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں، انہوں نے اس پروگرام کے انعقاد پر راقم کو مبارک باد دی اور اس کے فوائد اور اہمیت کا احساس دلایا۔ مولانا عبدالباسط صاحب قاسمی ابن مولانا زین العابدین صاحب اعظمی نے دارالعلوم دیوبند کے کئی اساتذہ کا ذکر خیر کیا اور ان کے ادبی ذوق کے ساتھ ان کے تقویٰ وطہارت پر روشنی ڈالی۔ ادری کے مولانا محمد شاہد قاسمی استاذ فیضان العلوم بہادر گنج ضلع غازی پور نے اپنے چچا ماسٹر ساغر ادروی کی لکھی ایک نظم سنائی جس میں دارالعلوم اور دیوبند کے ذکر کے ساتھ برادرم اسعد الاعظمی کا بھی تذکرہ تھا، اس کی فوٹو کاپی بھی سامعین میں تقسیم کی گئی۔

پروگرام کے دوران بوندا باندی شروع ہوگئی، اس لیے پورا پروگرام مدرسہ کے ایک بڑے ہال میں مجبوراً منتقل کرنا پڑا۔ یہاں آکر مولانا کمال اختر صاحب قاسمی استاذ مدرسہ رحمانیہ ولید پور کو دعوتِ سخن دی گئی، آپ نے کم وقت میں جامع خطاب کیا اور اس محفل کے پیغام کو بھی واضح کیا۔ اس کے بعد راقم نے ایک نظم " دیوبند کی یاد میں" سنائی، جو اختر شیرانی کی مشہور نظم "او دیس سے آنے والے بتا" کے طرز پر" دیوبند سے آنے والے بتا" تھی، میں نے لمبی نظم کے صرف پانچ چھ بند سنائے، وقت زیادہ گزر گیا تھا، عشا کی نماز ہوچکی تھی، یہاں ہمیں تاخیر سے عشا کی نماز مدرسہ میں ادا کرنی تھی۔

اب وقت آگیا تھا کہ معروفی ایجوکیشنل فاؤنڈیشن کی جانب سے جاری ایوارڈ پیش کیا جائے۔ اس کے لیے میں نے اپنے ساتھی مولانا محمد شعیب صاحب قاسمی مئو کو خاص طور پر اس لیے بلایا کہ انہوں نے اسٹیج پر آکر کچھ بیان کرنے سے معذرت کرلی تھی، اس لیے سوچا کہ ایوارڈ دینے کے بہانے انہیں لوگوں کے روبرو کیا جائے، اور ان کے ہاتھ سے ایوارڈ تفویض کیا جائے، ساتھ ہی فاؤنڈیشن کے ذمہ دار ڈاکٹر عدنان حبیب کو بھی مدعو کیا گیا، ان حضرات کے بدست مولانا محمد اسعد الاعظمی کو" مولانا نور عالم خلیل الامینی ایوارڈ، برائے مجموعی ادبی خدمات" عزت وتکریم کے ساتھ پیش کیا گیا، جب کہ دوسرا ایوارڈ" حافظ کرناٹکی ایوارڈ برائے ادب اطفال" راقم الحروف انصار احمد معروفی کو مفتی محمد اسعد قاسمی کے ذریعے سونپا گیا۔ جس میں شال، توصیفی سند، ڈھائی ہزار روپے، اور مومنٹو شامل ہے۔ اس کے فوراً بعد ڈاکٹر عدنان حبیب نے معروفی ایجوکیشنل فاؤنڈیشن کا تعارف کرایا اور ایوارڈ پانے والی دونوں شخصیتوں کا بھی تعارف پیش کیا۔ اس کے بعد متصلاً حضرت مولانا مفتی محمد اسعد قاسمی کوپا گنج نے اپنے کئی اساتذہ کی خدمات کو سراہتے ہوئے ان سے اپنے خوشگوار تعلقات کا دلچسپ تذکرہ کیا۔

ایوارڈ کی تقسیم کے بعد مولانا انظر کمال صاحب استاذ مرقات العلوم مئو کو خطاب کے واسطے بلایا گیا، آپ نے ایک حدیث کی روشنی میں فرمایا کہ کل قیامت کے دن انسان کا حشر اس کے ساتھ کیا جائے گا جو جس سے محبت کرتا ہے، اس لیے ہمیں اللہ تعالیٰ، اس کے رسول اور صحابۂ کرام کے ساتھ علمائے کرام سے پرخلوص محبت رکھنی چاہیے جو زندگی کے راحت وآرام کو قربان کرکے دین اسلام اور احادیث کے فروغ میں منہمک رہتے ہیں۔

آخری تقریر مولانا اسعد الاعظمی کی ہوئی، جس میں انہوں نے دارالعلوم دیوبند میں گزرے ہوئے دنوں کی یاد کو زندہ کرتے ہوئے اساتذہ کا ذکر خیر کیا، معروفی ایجوکیشنل فاؤنڈیشن کے احباب کو مبارک باد دی اور اس اعزاز کا شکریہ ادا کیا اور عصر حاضر کے تقاضوں کے مطابق دینی وعصری علوم کی تعلیم حاصل کرنے پر زور دیا۔ واضح ہو کہ یہ سارا پروگرام ''معروفی اسٹوڈیو' حذیفہ اسجدی'' پر موجود ہے، وہاں چینل پر سارا پروگرام موجود ہے۔

آخر میں مولانا انظر کمال صاحب کی دعا پر پروگرام کا اختتام ہوا، فوراً نماز کے لیے تیاری ہوئی اور نماز کے بعد متصلاً عشائیہ کا اہتمام کیا گیا جس میں سبھی حضرات شریک ہوئے، البتہ بیرونی مہمانان گرامی کو دسترخوان پر پہلے جگہ دی گئی، سبھی حضرات دوبارہ ایک دوسرے سے ملاقات کرکے خوشی خوشی اپنے مستقر کی جانب گامزن ہوگئے۔

اس پروگرام میں مولانا حبیب الرحمٰن صاحب معروفی گرہست، مولانا امتیاز احمد صاحب گلفام گرہست، مولانا قاری عظیم الرحمٰن صاحب، مولانا ابوالکلام قاسمی صاحب، مولانا نسیم احمد صاحب،

مولانا مظہر الجبار صاحب، مولانا شفیق صاحب کوپا گنج، مولانا شعیب صاحب مئو، مولانا عتیق الرحمن اور مولانا نسیم اختر صاحب خیر آباد، مولانا محمد شاکر عمیر صاحب، اور مولانا محمد سلمان اور مولانا امتیاز صاحب، مولوی محمد عبادہ وغیرہ موجود تھے۔

دیو بند سے آنے والے بتا

انصار احمد معروفی

دیو بند سے آنے والے بتا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔روداد چہل سالہ تو سنا
جو مادر علمی ہے اس میں۔۔۔۔۔۔۔۔۔کیا کیا تبدیلی آئی ہے؟
کیا اب بھی وہاں کے اسٹیشن۔۔۔۔۔۔۔پر بھیڑ ہمیشہ رہتی ہے؟
ہیں جتنے وہاں رکشے والے۔۔۔۔۔۔۔کیا پہلی سی چھینا جھپٹی ہے؟
اولاد بھی ان کی رکشے پر۔۔۔۔۔۔۔۔کیا اب بھی گزارا کرتی ہے
دیو بند سے آنے والے بتا۔۔۔۔۔۔۔دیو بند سے آنے والے بتا
بازاروں میں رکشے والے سب۔۔۔۔۔کیا تیز ابھی بھی چلتے ہیں؟
نادان نئے جو طلبہ ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔کیا موڑ پہ گرتے رہتے ہیں
گھنٹی کے بجائے آوازیں۔۔۔۔۔۔۔کیا منہ سے بجاتے بڑھتے ہیں
دیو بند سے آنے والے بتا۔۔۔۔۔۔۔۔دیو بند سے آنے والے بتا
دیو بند میں کیا ویسے ہی ابھی۔۔۔۔۔۔۔روحانی مناظر ہوتے ہیں
دربان ابھی بھی کیا شب کی۔۔۔۔۔۔تنہائی میں اٹھ کر روتے ہیں؟
کیا آہ سحر گاہی میں ابھی۔۔۔۔۔۔۔موتی اشکوں کے پروتے ہیں
دیو بند سے آنے والے بتا۔۔۔۔۔۔۔دیو بند سے آنے والے بتا
کیا صحن گلستاں کے اب بھی۔۔۔۔۔پر کیف نظارے ہوتے ہیں
اس علمی افق پر جلوہ گر۔۔۔۔۔۔۔۔کیا چاند ستارے ہوتے ہیں
پر شوق مناظر میں چھپ کر۔۔۔۔۔۔کچھ شوخ اشارے ہوتے ہیں؟
دیو بند سے آنے والے بتا۔۔۔۔۔۔۔دیو بند سے آنے والے بتا
کیا فجر سے پہلے نگراں کچھ۔۔۔۔۔۔طلبہ کو جگانے آتے ہیں
غفلت کے نشے میں کیا سوئے۔۔۔۔۔لڑکوں کو اٹھانے آتے ہیں
لڑکوں کو ابھی بھی کیا جھوٹے۔۔۔۔جھوٹے سے بہانے آتے ہیں
تا دیر سبق کیا طلبہ کو۔۔۔۔۔۔۔۔کچھ نگراں سکھانے آتے ہیں
دیو بند سے آنے والے بتا۔۔۔۔۔۔دیو بند سے آنے والے بتا
جس روم میں ہم سب رہتے تھے۔۔۔اب اس میں قبضہ کس کا ہے
سامان تھے جس الماری میں۔۔۔۔۔اب اس پر تالا کس کا ہے
دس نمبر کمرہ یا چون۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اناتس والا کس کا ہے
وہ ایک سو انتیس روم جو تھا۔۔۔۔۔۔اب اس میں حصہ کس کا ہے
دیو بند سے آنے والے بتا۔۔۔۔۔۔۔دیو بند سے آنے والے بتا
لکھا تھا نام ونشاں میں نے۔۔۔۔۔۔۔۔الماری اور کتابوں پر
لکھا تھا نہ جانے اور کہاں۔۔۔۔۔۔۔اور کس کس کی دیواروں پر
جب برج شمالی میں پہنچے۔۔۔۔۔۔۔تو لکھ دیا اس کے جنگلوں پر
جب جوش محبت میں آئے۔۔۔۔۔۔۔۔تو دل نے لکھا گلابوں پر
کیا نام ابھی وہ باقی ہے۔۔۔۔۔۔۔۔تھا جو بھی منقش ذہنوں پر
دیو بند سے آنے والے بتا۔۔۔۔۔۔۔دیو بند سے آنے والے بتا
کیا شہر کی گلیوں گلیوں میں۔۔۔۔۔سب گھومنے اب بھی جاتے ہیں
تفریح میں طلبہ کیا اب بھی۔۔۔۔۔۔مستی کے ترانے گاتے ہیں
اور جا کے کہیں بازاروں میں۔۔۔۔۔۔وہ اپنے دل بہلاتے ہیں
ہر شام اندھیرا ہونے پر۔۔۔۔۔۔پھر لوٹ کے گھر کو آتے ہیں
دیو بند سے آنے والے بتا۔۔۔۔۔۔۔دیو بند سے آنے والے بتا
مطبخ میں ابھی بھی کیا لمبی۔۔۔۔۔۔۔لائن وہ لگانی پڑتی ہے
کیا کھانا ابھی بھی لانے کی۔۔۔۔۔۔۔ترتیب بنانی پڑتی ہے
نو وارد سارے طلبہ کو۔۔۔۔۔۔۔کیا مشق کرانی پڑتی ہے
لے جا کے انہیں کیا مطبخ کی۔۔۔۔۔۔سب راہ دکھانی پڑتی ہے
دیو بند سے آنے والے بتا۔۔۔۔۔۔۔دیو بند سے آنے والے بتا
کیا اب بھی پرانے کچھ طلبہ۔۔۔۔۔چھوٹوں پہ رعب جماتے ہیں
کیا دھونس جما کر وہ ان سے۔۔۔۔۔۔کچھ ذاتی کام کراتے ہیں
کیا ان کی خدمت لینے کو۔۔۔۔۔۔احسان وہ اپنے جتاتے ہیں
کیا ان سے مٹھائی کھانے کو۔۔۔۔۔۔کچھ ان کی چیز چھپاتے ہیں
دیو بند سے آنے والے بتا۔۔۔۔۔۔دیو بند سے آنے والے بتا
کیا ساتھ ابھی بھی چائے کے۔۔۔۔۔۔چلتا ہے محاورہ وائے کا
کیا اب بھی تقاضا کرتے ہیں۔۔۔۔کمروں میں جا کر چائے کا
کنجوس ابھی بھی لگاتے ہیں۔۔۔۔۔۔۔کیا نعرہ ہائے ہائے کا
کہتے ہیں تقاضے پر کیا وہ۔۔۔۔۔۔۔جب پیسے نہیں تو آئے کیا

دیوبند سے آنے والے بتا۔۔۔۔۔۔دیوبند سے آنے والے بتا
کیا اب بھی پرانے کچھ طلبہ۔۔۔۔۔روٹھوں کو منانے آتے ہیں
باہم جو دست و گریباں ہیں۔۔۔۔کیا ان کو ملانے آتے ہیں
ظاہر میں انھیں الفت کا سبق۔۔۔۔۔وہ طلبہ پڑھانے آتے ہیں
لیکن وہ ملا کر گاجر کے۔۔۔۔۔۔۔بس حلوے کھانے آتے ہیں

دیوبند سے آنے والے بتا۔۔۔۔۔۔دیوبند سے آنے والے بتا
کمرے کی صفائی کرنے میں۔۔۔۔۔کیا تو تو میں میں ہوتی ہے
کھانے کے بھی برتن دھونے میں۔۔۔۔کیا تو تو میں میں ہوتی ہے
اور ناشتہ صبح بنانے میں۔۔۔۔۔ کیا تو تو میں میں ہوتی ہے
کپڑے دھونے میں نہانے میں۔۔۔۔کیا تو تو میں میں ہوتی ہے

دیوبند سے آنے والے بتا۔۔۔۔۔۔دیوبند سے آنے والے بتا
کیا دار جدیدہ میں اب بھی۔۔۔۔۔۔وہ غسل کے کم ہی خانے ہیں
جب جاؤ قضائے حاجت کو۔۔۔۔۔۔افسانے ہی افسانے ہیں
کیا روکے ہوئے ہیں کچھ سانسیں۔۔۔۔۔۔لبریز کئی پیمانے ہیں
اور ضبط کے ٹوٹنے والے ہی۔۔۔۔بس سارے تانے بانے ہیں

دیوبند سے آنے والے بتا۔۔۔۔۔۔دیوبند سے آنے والے بتا
کیا اب بھی فضا یکجہتی کی۔۔۔۔۔۔۔دیوبند میں چھائی رہتی ہے
ہر دم وہاں میلوں ٹھیلوں کی۔۔۔۔۔۔۔تاریخ بھی آئی رہتی ہے
کیا ہندو اور کیا مسلم ہوں۔۔۔۔۔۔۔۔طلبہ سے کمائی رہتی ہے
کیا عید ہو اور کیا ہولی ہو۔۔۔۔۔۔۔سب چلتی بندھائی رہتی ہے

دیوبند سے آنے والے بتا۔۔۔۔۔۔دیوبند سے آنے والے بتا
کیا دفتر الداعی میں ابھی۔۔۔۔۔۔۔عربی کے رسالے آتے ہیں
کچھ طلبہ انہیں پڑھنے کے لیے۔۔۔۔۔کیا چوری چھپے لیجاتے ہیں
معصوم جو طلبہ ہوتے ہیں۔۔۔۔۔۔لے جاتے ہوئے گھبراتے ہیں
پھر ترجمہ اس کا کر کے کہیں۔۔۔۔۔۔۔مضمون کوئی چھپواتے ہیں

دیوبند سے آنے والے بتا۔۔۔۔۔۔دیوبند سے آنے والے بتا
بنگالی و آسامی طلبہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔کیا مچھلی مارنے جاتے ہیں
اور چھوٹے گندے گڈھوں سے۔۔۔۔۔۔مچھلی وہ پکڑ کر لاتے ہیں
پھر لا کے انھیں کچی کچی۔۔۔۔۔۔۔۔۔اور الٹی سیدھی پکاتے ہیں
پھر شوق سے اپنے یاروں کو۔۔۔۔۔۔دعوت میں بلا کر کھاتے ہیں

دیوبند سے آنے والے بتا۔۔۔۔۔۔دیوبند سے آنے والے بتا
وہ یوم جمعہ کو یوم سمک۔۔۔۔۔۔۔۔کے نام سے کرتے یاد ہیں کیا
اس دن کو وہ کھانے پینے سے۔۔۔۔۔سب کرتے ابھی آباد ہیں کیا
رہتے تھے گیارہ نمبر میں۔۔۔۔۔۔۔کچھ باتیں ان کی یاد ہیں کیا
وہ کھا پی کر آباد ہیں کیا۔۔۔۔۔۔۔۔دل شاد ہیں یا برباد ہیں کیا

دیوبند سے آنے والے بتا۔۔۔۔۔۔دیوبند سے آنے والے بتا
کیا بیس روپیہ طلبہ کو۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ماہانہ وظیفہ ملتا ہے
کیا بونس کے اس پیسے سے۔۔۔۔۔۔۔چہرہ اب بھی کھل جاتا ہے
پھر دودھ جلیبی میں پیسہ۔۔۔۔۔۔۔کیا سارا اٹھانا پڑتا ہے
کچھ لڑکوں کا اس پیسے سے۔۔۔۔۔۔۔۔کیا سارا خرچہ چلتا ہے

دیوبند سے آنے والے بتا۔۔۔۔۔۔دیوبند سے آنے والے بتا
کیا سعید یہ ہوٹل والے ابھی۔۔۔۔۔۔پہلی سی جلیبی بناتے ہیں
پھر گول بنا کر کیا اس کو۔۔۔۔۔۔۔۔پہلے کی طرح لٹکاتے ہیں
مہمان کے گھر کے نیچے ابھی۔۔۔۔۔۔۔کیا ہوٹل اپنا چلاتے ہیں
کیا مثل مطوع رہتے ہیں۔۔۔۔۔۔۔عزت کے ساتھ بلاتے ہیں

دیوبند سے آنے والے بتا۔۔۔۔۔۔دیوبند سے آنے والے بتا
کیا اب بھی حسینیہ ہوٹل میں۔۔۔۔۔۔۔بنتا ہے نمک پارہ کہ نہیں
اور ساتھ میں اس کے چائے کا۔۔۔۔۔۔روشن ہے ابھی تارہ کہ نہیں
کیا دیسی گھی اور گاجر کا۔۔۔۔۔۔۔۔بنتا ہے ابھی حلوہ کہ نہیں
اشعار کے طغرے اور نغمے۔۔۔۔۔۔۔۔کا رہتا ہے جلوہ کہ نہیں

دیوبند سے آنے والے بتا۔۔۔۔۔۔دیوبند سے آنے والے بتا
مرغوب کا ہوٹل بند ہوا۔۔۔۔۔۔۔۔یا اس کی عداوت جاری ہے
کیا صبح کو بریانی زردے۔۔۔۔۔۔۔کی اب بھی تجارت جاری ہے
کیا بند پلنگ توڑ اس کا ہوا۔۔۔۔۔۔۔یا اب بھی قیامت جاری ہے
کیا ختم وہ بائیکاٹ ہوا۔۔۔۔۔۔۔یا اب بھی روایت جاری ہے

دیوبند سے آنے والے بتا۔۔۔۔۔۔دیوبند سے آنے والے بتا
یا منے کا ہوٹل نکڑ پہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔کیا چلتا ہے پہلے کی طرح
وہ خستہ مکاں خستہ ہوٹل۔۔۔۔۔۔۔کیا کھلتا ہے پہلے کی طرح
کیا دودھ اس میں چائے پاپا۔۔۔۔۔۔سب ملتا ہے پہلے کی طرح
کیا اندر اس کے اندھیارا۔۔۔۔۔۔۔کچھ رہتا ہے پہلے کی طرح

دیوبند سے آنے والے بتا۔۔۔۔۔۔دیوبند سے آنے والے بتا
بندو کی دوکاں حافظ والی۔۔۔۔۔۔۔پہلے کی طرح کیا چلتی ہے
کیا ڈالڈا سوجی اور چینی۔۔۔۔۔۔۔اک روپے میں مل جاتی ہے
کیا ایک ہی سکے میں اب بھی۔۔۔۔۔طلبہ کی ضیافت ہوتی ہے

اک سکے میں دو چائے ابھی ۔۔۔۔۔۔۔ بالائی والی ملتی ہے
دیوبند سے آنے والے بتا ۔۔۔۔۔۔ دیوبند سے آنے والے بتا
کیا فوٹو اب بھی نکلوانے ۔۔۔۔۔۔۔ تحصیل پہ جانا پڑتا ہے
اور گوشت ابھی بھی پڑوے کا ۔۔۔۔ کچھ دور سے لانا پڑتا ہے
جامع مسجد سے کیا اب بھی ۔۔۔۔۔ سامان منگانا پڑتا ہے
کیا فوٹو کاپی کرانے کو ۔۔۔۔۔۔۔ بازار ہی جانا پڑتا ہے
دیوبند سے آنے والے بتا ۔۔۔۔ دیوبند سے آنے والے بتا
کیا طبیہ کالج کے میداں ۔۔۔۔۔۔ میں والی بال بھی ہوتا ہے
اور صحن میں افریقی منزل ۔۔۔۔۔۔ کے کرکٹ کھیلا جاتا ہے
اور ریلوے لائن کی جانب ۔۔۔۔۔۔ فٹبال کا ہوتا تماشا ہے
کیا جی ٹی روڈ کے کالج میں ۔۔۔۔۔۔ بھی اول نمبر آتا ہے
دیوبند سے آنے والے بتا ۔۔۔۔ دیوبند سے آنے والے بتا
کیا والی بال میں بستی کے ۔۔۔۔۔۔۔ مغفور کی شہرت باقی ہے
اور گونڈہ کے اس نیاز کی کیا ۔۔۔۔۔ بالی کی طاقت باقی ہے
کیا کھیل میں پہلے والی ابھی ۔۔۔۔۔ وہ شان وشوکت باقی ہے
جو میچ میں عزت پائی تھی ۔۔۔۔۔ کیا اب بھی وہ عزت باقی ہے
دیوبند سے آنے والے بتا ۔۔۔۔ دیوبند سے آنے والے بتا
کیا طبیہ کالج میں اب بھی ۔۔۔۔۔ نزلے کی گولی بنتی ہے
کیا سارے مرض میں اک گولی ۔۔۔۔۔ جانے والوں کو ملتی ہے
اس طبیہ کالج کی شہرت ۔۔۔۔۔۔۔ کیا دور تلک بھی پہنچی ہے
اک انسانی ڈھانچے کی وہاں ۔۔۔۔۔ کیا یاد ابھی بھی رکھی ہے
دیوبند سے آنے والے بتا ۔۔۔۔ دیوبند سے آنے والے بتا
کیا اب بھی جماعت کے ساتھی ۔۔۔۔ تشکیل کی خاطر آتے ہیں
اور ان سے بچنے کی خاطر ۔۔۔۔۔ لڑکے چھپ جایا کرتے ہیں
اور بعض جری طلبہ ان سے ۔۔۔۔ کچھ بحث شروع کر دیتے ہیں
اور بھولے بھالے وہ ساتھی ۔۔۔۔۔ ہر اک غم سہ لیتے ہیں
دیوبند سے آنے والے بتا ۔۔۔۔ دیوبند سے آنے والے بتا
کیا صحن چمن میں برکھا کی ۔۔۔۔۔ ساون میں بہاریں آتی ہیں
بارش میں ٹولیاں طلبہ کی ۔۔۔۔۔۔ کیا جھومتی گاتی رہتی ہیں
مل مل کر جسم پہ صابن پھر ۔۔۔۔۔۔ کیا اٹھلاتی اور نہاتی ہیں
کیا ٹولیاں دوڑتی جاتی ہیں ۔۔۔۔ ناگن کی طرح لہراتی ہیں
دیوبند سے آنے والے بتا ۔۔۔۔ دیوبند سے آنے والے بتا
گرمی کے دنوں میں کیا لڑکے ۔۔۔ چھت پر بھی سونے جاتے ہیں

جو اس میں نئے ہیں وہ چہرے ۔۔ کیا اشک سے دھونے جاتے ہیں
کیا عالم تنہائی میں وہ ۔۔۔۔۔ فرقت میں رونے جاتے ہیں
یا اپنے خوشنما تکیے کو ۔۔۔۔۔۔ وہ رات میں کھونے جاتے ہیں
دیوبند سے آنے والے بتا ۔۔۔۔ دیوبند سے آنے والے بتا
کیا اب بھی عزیز احمد بی اے ۔۔۔۔ سائنس پڑھانے آتے ہیں
اور صحن چمن میں وہ اس کی ۔۔۔۔۔۔ کچھ عملی مشق کراتے ہیں
کیا شہر سے شیخ زبیر احمد ۔۔۔۔۔۔ مشکوۃ پڑھانے آتے ہیں
اخلاص کے پتلے درس میں کیا ۔۔۔۔۔ خود روتے اور رلاتے ہیں
دیوبند سے آنے والے بتا ۔۔۔۔ دیوبند سے آنے والے بتا
وہ دارحدیث فوقانی ۔۔۔۔۔۔۔ کیا طلبہ سے بھر جاتی ہے
اور درس مفتی سعید میں کیا ۔۔۔۔۔۔۔ تنگی کی شکایت کرتی ہے
کیا بعض سبق میں وہ تھوڑی ۔۔۔۔۔ تھوڑی سی سکڑتی رہتی ہے
کیا یوم جمعہ بھی وہ پڑھنے ۔۔۔۔۔۔ کے واسطے اب بھی کھلتی ہے
دیوبند سے آنے والے بتا ۔۔۔۔ دیوبند سے آنے والے بتا
کیا ختم بخاری کی شب میں ۔۔۔۔۔ مہمان کہیں سے آتے ہیں
یا بے خبر اب بھی سب طلبہ ۔۔۔۔۔۔ پہلے کی طرح رہ جاتے ہیں
کیا وقت دعا رونے کے لیے ۔۔۔۔ سب لائٹ طلبہ بجھاتے ہیں
کیا اس کی خوشی میں شیرینی ۔۔۔۔۔ ہوٹل میں جاکے کھلاتے ہیں
دیوبند سے آنے والے بتا ۔۔۔۔ دیوبند سے آنے والے بتا
کیا کشتی نما لمبی ٹوپی ۔۔۔۔۔۔۔ کچھ طلبہ اب بھی لگاتے ہیں
اور من چاہی ٹوپی کے لیے ۔۔۔۔ کیا کپڑے مول لے آتے ہیں
خیاط وہ عبدالقادر سے ۔۔۔۔۔ کیا وہ اب بھی سلواتے ہیں
اور اپنے گھر والوں کے لیے ۔۔۔۔ کیا تحفے میں لے جاتے ہیں
دیوبند سے آنے والے بتا ۔۔۔۔ دیوبند سے آنے والے بتا
کیا پاپا یونہی بنتا ہے ۔۔۔۔۔۔۔۔ اور بھٹی اس کی جلتی ہے
مدنی ہوٹل کے بازو میں ۔۔۔۔۔۔ کیا اس کی تجارت چلتی ہے
اور اس کی بغل میں کتابوں کی ۔۔۔۔۔ کیا جلد ابھی بندھتی ہے
ویشالی کے دو بھائی کی ۔۔۔۔۔۔۔ بالوں کی دکاں بھی کھلتی ہے
دیوبند سے آنے والے بتا ۔۔۔۔ دیوبند سے آنے والے بتا
آگے سیئیکل کی ایک دکاں ۔۔۔۔۔۔ کیا دادا والی کھلتی ہے
سگریٹ ہمیشہ پیتے تھے ۔۔۔۔۔۔۔ اب ان کی طبیعت کیسی ہے
ماچس سے نہیں، سگریٹ سے ہی ۔۔۔۔ سگریٹ جلایا کرتے تھے
ہم جب بھی گزرتے بس ان کو ۔۔۔ اس حال میں پایا کرتے تھے

دیوبند سے آنے والے بتا۔۔۔۔۔۔دیوبند سے آنے والے بتا
سو پیسے میں کیا سوجی کا۔۔۔۔۔۔۔۔حلوہ اب بھی بن جاتا ہے؟
پھر بھی ابھی خرچے کی خاطر۔۔۔۔۔۔کچھ قرض بھی لینا پڑتا ہے
جب گھر سے نہیں پیسے جاتے۔۔۔۔۔۔۔پھر ٹائم کیسے گزرتا ہے
کیا جاکے کہیں تنہائی میں۔۔۔۔۔۔۔۔۔وہ لڑکا روتا رہتا ہے
دیوبند سے آنے والے بتا۔۔۔۔۔۔دیوبند سے آنے والے بتا
کیا خوشبودل آویزابھی۔۔۔۔۔۔۔بھی رات کی رانی دیتی ہے
اور دارجدید کے ہر کونے۔۔۔۔۔۔۔۔کو ویسے ہی مہکاتی ہے
کیا نازک اور نفیس طبیعت۔۔۔۔۔۔۔والوں کو پھڑکاتی ہے
کیا سارے پردیسی طلبہ۔۔۔۔۔۔۔کے دل کو وہ بہلاتی ہے؟
دیوبند سے آنے والے بتا۔۔۔۔۔۔دیوبند سے آنے والے بتا
کیا اب بھی بہت کم پیسے میں۔۔۔۔دل گردے لے کر آتے ہیں
پھر گرم مسالے میں ان کو۔۔۔۔۔۔۔۔دھیمے دھیمے وہ پکاتے ہیں
پھر گرم مسالوں کی خوشبو۔۔۔۔۔۔۔سے صحن چمن مہکاتے ہیں
پھر شوق سے روٹی چاول سے۔۔۔۔خود کھاتے اور کھلاتے ہیں
دیوبند سے آنے والے بتا۔۔۔۔دیوبند سے آنے والے بتا
کیا صدر بزم کو کچھ طلبہ۔۔۔۔۔صدرا کہہ کہہ کے بلاتے ہیں
مل جائے کسی کو ادنی خوشی۔۔۔۔۔تو ہوٹل میں لے جاتے ہیں
کیا اب بھی مٹھائی کھانے کو۔۔۔۔قصدا چیزیں بھی چھپاتے ہیں
منصوبہ بند طریقے سے۔۔۔۔۔کھانے کے بہانے بناتے ہیں
دیوبند سے آنے والے بتا۔۔۔۔۔دیوبند سے آنے والے بتا
اے احمؔد پوچھ رہا ہے کیوں؟۔۔۔۔۔۔۔وہ مادر علمی تیری ہے
گہوارۂ علم وفضل سے یہ۔۔۔۔۔۔۔کیوں آخر اتنی دوری ہے
یہ کیسا تعلق ہے تیرا۔۔۔۔۔۔۔۔۔کیا جانے سے مجبوری ہے
فرزند تو آخر ہے کیسا۔۔۔۔۔۔۔۔۔کیا جسمانی معذوری ہے
اب باندھ لے اپنا رخت سفر۔۔۔اب حاضری تیری ضروری ہے
دیوبند سے آنے والے بتا۔۔۔۔۔دیوبند سے آنے والے بتا

دوسری قسط میں اساتذہ کا ذکر ہوگا، اگر اللہ نے چاہا۔